رجسٹرڈ نمبر اے ۳۵۹





زیر سرپرستی سرکار نجم العلماء مدظلہ العالی

ناظم علامہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری (ڈاکٹر تاریخ و فلسفہ ازہر یونیورسٹی مصر)

جو بات کہی زبان سے پوری کردی
لاکھوں کے مقابلے میں یہ پامردی،
کتنی ہے شجاعت و وفا و ہمت
واللہ کہ اے حسین کارے کردی

مداح آل پیمبر حضرت



اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

سلام

بحضور لامع النور و فیض گنجور و مایهٔ تسکین دل رنجور و برق خاطف در شب دیجور علیه و آله الصلوٰة والسلام

از اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد الله ملکه و سلطنته

زآمد ماه محرم تن بیجان گشته — قطرهٔ اشک بشکل دُر غلطان گشته

(در بهار)

دیدم گلهای چمن کرده قبای پاره — در قفس سینه زنان بلبل نالان گشته

شاد و مسرور شده روح قتیلان بنگر — زیر حلقوم به وقتی مے رُمان گشته

(برنگ انار)

غم پروانه بپا کرده چه محشر هیهات — خاک بر سر تو مگر شمع شبستان گشته

(قیامت)

بر سر طور تجلی چه شده بهر لقا — دم بخود بین تو عجب موسی عمران گشته

آه و زاری چه کند بین تو صدور[1] اصداف[2] — غیر تشکیل همه قطرهٔ نیسان گشته

۱- جمع صدر بمعنی سینه ۲- جمع صدف

منهدم کرده بن قصر امامت عثمان

(پایه)

خائب و خاسر و بدکار لعینان گشته

تاثرات

حضور پر نور احتشام الملک رئیس الدولہ امیر الامراء مہابت جنگ آصف قدر ہز ہائینس نواب سید واصف علی میرزا نواب بہادر آف مرشد آباد کے سی، ایس، آئی، کے سی، وی، او، ادام اللہ اقبالہ

ہوا عالم جو پیدا آدمِ ہر منور سے — فلک گونجا صدائے نعرۂ اللہ اکبر سے
چمکتی ذوالفقار حیدری تھی برق کے مانند — لعین سہمے ہوئے ہٹتے تھے پیچھے جان کے ڈر سے
زبانِ شاہ پر اسلام کا نعرہ جو تھا ہر دم — نہ بڑھتا تھا کوئی بیدین آگے خوف سرور سے
زمین مقتل کی تپتی تھی جگر پیاسوں کا پھٹتا ہے — نہیں پانی میسر ہے کہا شہ نے یہ خواہر سے
ہوئے بیچین جب آل نبی تشنہ دہانی سے — چلے عباس لیکر مشک بس خیمہ کے اندر سے
نمازی سب تھے ہمراہ رکاب شاہ دیں ہر دم — ہوئے رخصت جو حضرت عابد بیمار و مضطر سے
ہوئی برپا صدائے الاماں جب فوج اعدا میں — تھی گھبرا کے سب بھاگے خوف ابن حیدر سے
کیئے وار اسقدر اعدا نے شہ کے جسم اقدس پر — نہ آخر گھوڑے پر سنبھلا گیا جان پیمبر سے
خیال آیا جو اُمت کا تو رکھ دی تیغ مولا نے — ہوئے مجبور حضرت ظالموں کے مکر اور شر سے
گھٹا چھائی تھی جنگ کی ہر طرف سے شاہ والا پر — صدائے گریہ پیہم آتی تھی قبر پیمبر سے

رہے روشن چراغ اسلام کا یا رب قیامت تک
دعا واصف کی ہے ہر دم یہی خلاق اکبر سے

(از: انتخاب العلماء مولانا سید محمد ہادی صاحب نقامت ہائی پرپسٹ نظامت مرشد آباد)

شہید کربلا کے خاندانی خصوصیات اور فداکارانہ روایات

(حضرت سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی)

یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے حضرت ابراہیم خلیل سے،
یہ بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب ان کو تسلیم کرتے ہیں اس لیے حضرت سید الشہداء کے نسبی خصوصیات کو آپ کے تعارف کے لیے یہیں سے شروع کرنا مناسب ہے۔ اور پھر واقعات کا سلسلہ بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم کی ذات کو اسلام کا مورث اعلیٰ بھی سمجھنا چاہیے کیونکہ آپ ہی نے اُس جماعت کا جو راہ حق میں ان کے پیچھے آئے سب سے پہلے "مسلم" نام رکھا۔ قرآن مجید میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ھو سماکم المسلمین من قبل اور ان کی دعا بھی بارگاہ الٰہی میں مذکور ہے ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک

حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے اسحاق اور اسمٰعیل۔ اسحاق سلسلۂ انبیائے بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ ہیں اور اسمٰعیل ہمارے رسول محمد مصطفےٰ کے دادا ہیں یہیں سے ہمارے رسول کا خاندان شرافت دوسرے سلسلہ سے الگ ہوا۔ آپ کو معلوم ہے کہ کچھ خاص داخلی اسباب کے ماتحت حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند اسمٰعیل کی شیرخوارگی کے عالم میں اُن کی ماں ہاجرہ کے ساتھ مکہ کی سرزمین پر پہنچا دیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں خانۂ کعبہ ہے اس خانۂ کعبہ کی تعمیر ان ہی باپ بیٹے ابراہیم اور اسمٰعیل نے کی۔

خانۂ کعبہ بن کر تیار ہوا اور تمام اطراف ملک کے لوگوں کا نقطۂ اجتماع بن گیا۔ یہاں مرکزیت شروع ہوئی آل ابراہیم کی۔ یہی خانۂ کعبہ کے بانی۔ یہی خانۂ کعبہ کے محافظ اور کعبہ کیا؟ مرکز تمام قبائل عرب کا مرکز؟

قدرت نے ان باپ بیٹے کا امتحان لینا چاہا۔ باپ مامور ہوگیا کہ بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ یہی وہ ہے جس کی یادگار عید قربان میں آج تک قائم کی جاتی ہے۔

گویا اس سلسلہ شرافت کا آغاز ہی نفس کی قربانی سے ہوا آگے بڑھ کے سلسلہ پہونچا نضر بن کنانہ تک۔ ان کی اولاد قریش کہلائی۔ جس طرح تمام دنیا میں آل ابراہیم کو خاص امتیازات حاصل ہوئے، آل ابراہیم میں اولاد اسمٰعیل خاص خصوصیات کی حامل ہوئی اب اولاد اسمٰعیل قبیلۂ قریش کو امتیازی خصوصیات حاصل ہوئے خانۂ کعبہ کی ذمہ داری، اُس کی حفاظت، ریاست اور تولیت سب قریش سے مخصوص تھیں۔ تمام عرب ان کی عزت کرتے تھے

قریش میں ہاشم پیدا ہوئے جو تمام خصوصیات کے حامل تھے یہاں سے بنی امیہ کی شاخ الگ تھی اُن کے مورث اعلیٰ نے ہاشم سے منازعت کی مگر شکست کھائی نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ کعبہ کے حقوق تولیت سقایت اور تمام انتظامات ہاشم کے پاس رہے اور بنی امیہ اس سے محروم ہوگئے۔ اس طرح آل ہاشم کا امتیاز آل امیہ کے مقابلہ میں تسلیم ہوگیا۔

ہاشم کے فرزند عبدالمطلب بڑے بلند شخصیت رکھتے تھے "سید البطحا" ان کا خطاب ہوا اور یہی لقب ہے جو اُن کی اولاد میں رہ گیا جس سے آج تک آل رسول سادات کہلاتے ہیں ان کا اعتماد توکل اور خدا پر بھروسہ اُس وقت پورے طور پر ظاہر ہوا جب ابرہہ نے یمن سے آکر کعبہ پر حملہ کیا یہ اصحاب فیل کا مشہور واقعہ ہے

اس وقت عبدالمطلب بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کیے ہوئے تھے۔ نتیجہ معلوم ہے کہ خدائی لشکر نے اصحاب فیل کو برباد کر دیا۔ یہ تھے عبدالمطلب جو محافظ حرم بھی تھے اور حافظ حرم بھی ثابت ہوئے عبدالمطلب کے دو بیٹے تھے۔ عبداللہ اور ابوطالب عبداللہ نے اسمٰعیل کا درجہ حاصل کر کے ذبیح کا لقب لیا یعنی ان کو بھی عبدالمطلب نے رضائے الٰہی کے لیے قربانی کے محل پر پیش کیا تھا اور وہ بھی فدیہ پا کر ذبح سے محفوظ ہوئے۔ مگر ان کا انتقال باپ کے سامنے ہو گیا اس لیے عبدالمطلب کے تمام امتیازات ابوطالب کو حاصل ہوئے۔ ابوطالب شیخ البطحا اور سردار قریش مشہور ہوئے۔ دیکھیں خصوصیات جو بکھرے ہوئے تھے کس طرح سمٹے آتے ہیں ایک نقطہ پر ابوطالب حامل ہیں تمام مواریث انبیاء، تمام امانتوں کے جو ابراہیم کی چھوڑی ہوئی تھیں جو اسمٰعیل کی متروکہ تھیں اور سب سے بڑی امانت وہ رسول کی ذات تھی اور اس طرح جتنی امانتیں رسولؐ کی ذات سے متعلق سمجھی جاسکتی ہیں اُن سب کی حفاظت قدرت کی جانب سے متعلق ہوئی۔ تاریخیں بتلاتی ہیں کہ ابوطالب نے کس شان سے امانداری کے فرض کو انجام دیا۔

اب آپ دیکھیں کہ زمین شرف کس آسمان پر پہونچتی ہے آل ابراہیم، آل اسمٰعیل، نسل قریش، آل ہاشم کی جتنی عزتیں تھیں وہ ایک مرکز پر طواف کر رہی ہیں۔ ابوطالب نے حضرت محمد مصطفےٰ کی پرورش میں جان کو جان نہ سمجھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کو رسول پر جان نثاری کی مشق کرائی۔

اُس وقت جب یہ لوگ شعب ابوطالب میں محصور تھے تو اس خیال سے کہ کہیں دشمن شب کو اچانک حملہ کر کے حضرت محمد مصطفےٰ کو قتل نہ کر دے ابوطالب آپ کو ایک بستر پر رہنے نہ دیتے تھے بلکہ اپنی اولاد کو باری باری آپ کے بستر پر لٹاتے تھے اور آپ کو ان کے بستر پر منتقل کر دیتے تھے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ محمدؐ کے بدلے جو بھی میرا فرزند قتل ہو جائے۔ کوئی پرواہ نہیں مگر رسول کی جان بچ جائے اس ذوق قربانی کو بھی یاد رکھیے گا۔ یہ بھی کس کی خاطر ہے چاہے کہیے محمدؐ کی خاطر اور چاہے کہیے اسلام کی خاطر۔

ابوطالب کی آغوش میں حضرت محمد مصطفےٰ کی جب تربیت ہو رہی تھی۔ ابھی آپ کی عمر نوجوانی ہی کی منزل میں تھی کہ آپ کی سچائی اور امانت داری کو تمام عربوں نے تسلیم کر لیا اور آپ کو صادق اور امین کا لقب دیا۔ یہاں تک کہ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوانا شروع کیں اس کے علاوہ اہم معاملات میں آپ کے تصفیہ کو قابل قبول سمجھا۔ خانہ کعبہ کی مرمت کے موقع پر حجر اسود کے رکھے جانے کا قصہ مشہور ہے۔

محمد مصطفےٰ کی عمر ۳۰ برس کی تھی اُس وقت ابوطالب کے یہاں وہ فرزند پیدا ہوا جس کا نام تھا علیؑ۔ ابھی علی چار یا پانچ برس کے ہوں گے کہ مکہ میں قحط پڑا اور ابوطالب اقتصادی تکالیف میں مبتلا ہو گئے آپ کے بار کو کم کرنے کے لیے محمد مصطفےٰ نے علی کی پرورش اپنے متعلق کر لی اب علیؑ محمدؐ کے آغوش تربیت میں تھے وہ دس برس کے تھے جب حضرت محمد مصطفےٰ اُس پیغام کے پہونچانے پر مامور ہوئے جس کا نام ہے اسلام۔ یہ پوچھنا صورت واقعہ کے لحاظ سے اصول فطرت کے خلاف ہے کہ علیؑ نے اس پیغام کو کب قبول کیا؟ وہ تو رسول کے ہر وقت ساتھ تھے اور آپ ہی کی تربیت میں تھے اس لیے ہر ہر وقت جو رسولؐ کا رستا تھا وہ علیؑ کا تھا۔

عمر کے لحاظ سے ابھی علیؑ بچہ ہی تھے اور تربیت سے بے نیاز نہیں تھے اس لیے مجھے کہنے دیجیے کہ اب رسولؐ کی آغوش میں دو چیزیں پرورش پا رہی تھیں ایک اسلام اور دوسرے علی۔ علی اور اسلام میں وہی وابستگی تھی جو ایک آغوش میں رہنے والے دو بچوں میں آپس میں ہوتی ہے رسولؐ کو اپنے پیغام کی اشاعت میں بڑی تکلیفیں دی گئیں۔ کوڑا کرکٹ سر پر پھینکا گیا۔ پتھروں سے جسم مجروح کیا گیا

اس سب کو آپ نے گوارا کیا۔ کاہے کے لیے؟ اسلام کی خاطر۔ آخر میں سب آپ کے قتل پر آمادہ ہو گئے اور انکا ارادہ کہ رات کے وقت آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔

رسولؐ نے طے کر لیا کہ وہ اپنے مقاصد کی حفاظت کے لیے مکہ معظمہ کی سرزمین کو چھوڑ دیں اور مخفی طور سے رات کے وقت نکل کر مدینہ چلے جائیں۔ اسی کا نام ہے ہجرت

اس موقع پر آپ نے اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب کو مقرر کیا کہ وہ آپ کے بستر پر آپ کی چادر اوڑھ کر سو رہیں۔ علی بستر رسولؐ پر سو رہے۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ ننگی ہوئی تلواروں دشمنوں کی اردگرد موجود تھیں سب قتل ہی کے ارادے سے آئے تھے۔ یہ تو اتفاق کی بات ہے اور قدرت کا انتظام ہے کہ علیؑ کی جان بچ گئی ورنہ سامان قتل کا مکمل تھا اور علی اپنی جان دے چکے تھے۔ یہ کس کی خاطر ہوا۔ صرف اسلام کی خاطر۔

رسولؐ کی ایک بیٹی تھیں۔ فاطمہ زہرا انھیں آپ بہت عزیز رکھتے تھے۔ ہجرت کے دوسرے سال آپ نے اپنی اسی بیٹی کا عقد علی بن ابی طالب کے ساتھ کر دیا۔

اب آپ جانتے ہیں فاطمہ کون ہیں؟ دختر داعی اسلام دختر پیغمبر اسلام اور علیؑ کون ہیں؟ محافظ اسلام۔ مجاہد اسلام بلکہ فدیۂ اسلام۔ انہی دونوں علیؑ اور فاطمہ کے فرزند تھے حسینؑ۔

اب کیا حسین بھلا سکتے تھے اپنے خاندانی خصوصیات اور قدیم روایات کو؟

حسین نے دیکھا نہیں مگر کانوں سے سنتے تو رہے کہ ہمارے مورث اعلیٰ ابراہیم خدا کی رضا کے لیے بیٹے کے ذبح پر تیار ہو گیے ہمارے پر دادا عبدالمطلب نے بیٹے عبداللہ کو قربانگاہ عبودیت میں پیش کیا حسین نے سنا کہ پیغمبر اسلام کے سینہ سپر رہے میرے دادا ابو طالب۔ پھر (۳) اسلام کے لیے پتھر کھائے میرے نانا رسول اللہ نے حسین نے سنا کہ جب اسلام کا حفاظت کا مسئلہ پیش تھا تو تلواروں کے حصار میں بستر پر کون لیٹا تھا؟ میرے باپ علی بن ابی طالب پھر ہر سخت موقع پر اسلام کے سپر ہوا تو کس نے کیا علی بن ابی طالب نے کیا ان تمام واقعات اور قدیم روایات کے ہوتے ہوئے حسینؑ یہ نہ سوچتے کہ اب اسلام پر وقت پڑا ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

بچے جب اپنے بزرگوں کے حالات سنتے ہیں تو ان میں بچپن ہی سے ولولہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم بھی ایسا ہی کر کے دکھائیں۔ حسینؑ بچپن سے ولولہ رکھتے تھے۔ منتظر تھے اور مشتاق تھے کہ اسلام کی خدمت کا کوئی موقع آئے تو میں بھی اسے کر کے دکھاؤں۔ آیا وقت اور سنہ ۶۱ھ میں حسینؑ کو اس اسلام کی خاطر وہ سب کچھ نذر کر دینا پڑا جو ان کے پاس سرمایہ تھا۔

انھوں نے اتنی بڑی قربانی پیش کر دی جس کی نظیر نہ اس کے پہلے نظر آتی ہے۔ نہ اس کے بعد آج جبکہ اس واقعہ کو تیرہ سو سال پورے ہو رہے ہیں وہ اسی طرح ندرت اور عظمت رکھتا ہے جس طرح اپنے وقوع کے موقع پر رکھتا تھا اور اسی لیے آج تک دنیا اسے یاد رکھتی ہے اور اس وقت تیاری ہو رہی ہے کہ اس کی سیزدہ صد سالہ یادگار بڑے وسیع پیمانہ پر قائم کی جائے۔

آج جبکہ اسلام کو بڑی ضرورت قربانی کی ہے اس یادگار کا قائم کرنا مسلمانوں کے لیے حیات بخش ہے دیکھنا ہے مسلمان اپنے اس فرض کو کس طرح انجام دیتے ہیں۔

آئندہ اشاعت کا انتظار کیجیے

۸ر فروری کا پرچہ بوجہ تعطیل محرم شایع نہ ہوگا ۱۶ر فروری کے اجتماع میں بقیہ اہم ترین مضامین اور نظمیں درج ہونگی جو محرم نمبر کے بجے رہ گیے

شہادت امام حسین علیہ السلام سے انقلاب ذہنی

حکیم الامت جناب مولانا سید احمد صاحب قبلہ دام ظلہ

سائیکالوجی کا مسلم مسئلہ ہے کہ ہر قومی جمود کے بعد ایک انقلاب فکری و ذہنی ہونا ناگزیر ہے اور واقعات تاریخی اس کے شاہد ہیں تاریخ عرب کا معاشی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی، اجتماعی جمود تاریخ دانوں سے پوشیدہ نہیں ہے ایسے زمانوں میں ایک طولانی جمود کے بعد اقوام عالم میں مفکرین و مدبرین مصلحین پیدا ہوتے ہی رہے یہ قانون الٰہی ہمیشہ جاری رہا ہے بعض قومی تعمیر اور انقلاب فکری میں کامیاب ظاہر نظا ہر ہوئے اور بعض ظاہری اور سطحی نظروں میں ناکامیاب ہوئے لیکن اونکی کامیابی اس صورت میں ہو کر رہی کہ اونکی اسکیم آئندہ مصلحون کے لئے اینٹ گارے کا تعمیر قومی میں کام دیتی رہیں حضرت خاتم النبین کا پروگرام بشکل قرآن و احادیث و عمل جدوجہد تو اس طرح سے کامیاب رہا جس کو تکمیل کو قرآن نے آیۂ اکملت سے واضح کر دیا کیا کہنا ہے مکمل اسکیم کا جس میں ترمیم و تنسیخ کی ابد الاباد تک کے لئے گنجائش نہیں ہے اور ہر ماحول اور ہر ملک کے لئے عمل کو ڈھے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ظاہری کامیابی رسول خدا کو ابھی نہ ہوئی کہ اپنے مولد و منشاء یعنی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے تمام عربوں میں مکمل انقلاب ذہنی پیدا فرما سکتے بلکہ تاریخیں بتا رہی ہیں کہ بجز چند انے گنوں کے رسول خدمت میں حاضری دینے والے بھی اپنی ذہنیت نہ بدل سکے جس کو قرآن مجید نے مخصوص آیتوں اور سوروں کی شکل میں صاف صاف منافق کہکر بتایا اور خود رسول نے بار بار منافقت کا اونکی اعلان کیا رسولی مکمل اسکیم تو شہادت امام حسین ہی سے کامیاب ہوئی ہے تھا کہ بناء لا الہ است حسین۔

اسیطرح خود رسول خدا نے اس مختصر و بلیغ ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے "حسین منی و انا من حسین احب اللہ من احب حسینا و ابغض اللہ من ابغض حسینا"

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں (یعنی حسینی تمام شعبہائے زندگی رسولی ہیں اور رسولی مشن کی کامیابی حسین سے ہے) خدا اوس شخص کو دوست رکھتا ہے جو حسین کو دوست رکھے (متفق علیہ) امام حسین کی شہادت سے وہ ریولیوشن اور انقلاب ذہنی و فکری پیدا ہوا نہ صرف عرب میں بلکہ عالم انسانیت میں جس نے رسولی اسکیم کو اقوام عالم سے کسی نہ کسی شکل میں منوا ہی لیا۔

مرکز روحانیت مکہ و مدینہ کی حرمت کو خونریزی نہ کرکے بچا لیا اور امن و امان کی جگہ کو چھوڑ کر جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عالم کو مراکز روحانیت کو سیاسی اکھاڑا نہ بنانے کا سبق دیا اور کربلا کے ریگستان میں جان دیدی حسین کے خون کی ارزانی سے حجاز کی چھلکتی ہوئی اسلام پر وردوں سے زمین ٹس سے مس نہ ہوئی اور یہ نہ سمجھے کہ جو خونخوار مسلمان گوشت و پوست رسول کو مٹانے میں اس قدر بیباک ہے وہ منسوبات رسول کا کب احترام کر سکتا ہے حسین کو مدینہ اور مکہ میں روکنے والے بعد کو سمجھے جب مکہ و مدینہ بے حرمت و تاراج ہو لیا۔

حسین کا جان دیتے وقت تمام شب عاشور عبادت الٰہی میں بسر کرنا اور تیروں کی بوچھار اور زیر خنجر قاتل نماز ظہر و عصر کو ادا فرمانا حتی کہ نوک نیزے پر بھی ذکر الٰہی سے غافل نہ رہنا

خدا پرستی و سیادت پرستی کی اہمیت کا اعلان تھا۔

اپنی بے زینتی اور پارہ پارہ پیراہن کو پہن کر زینت دنیا کی دھجیاں اڑا دیں۔ روز عاشور ناقہ بلند پر سوار ہو کر قرآن مجید لے کر ہزاروں یزیدیوں سے یہ تصدیق حاصل کر لی کہ نہ حسین نے کسی کا مال چھینا نہ حلال الہٰی کو حرام کیا نہ حرام الہٰی کو حلال کیا نہ کسی کا حق مارا نہ کسی کو قتل کیا۔ حسین کی معاشی، اقتصادی، معاشرتی زندگی کا یہ ادنیٰ کرشمہ تھا کہ جانی دشمن تک اقرار کریں۔ جہان بھر کی تکلیفیں اٹھا کر گردن کٹا لی اور عالم بھر کو سبق پڑھایا کہ مال و زر و ملک گیری اور مادی دنیا کیواسطے جان دینا حرام موت ہے نہ شہادت ہے نہ قربانی کہے جانے کی مستحق ہے۔ اصلاح حال انسانی اور خدا پرستی ہی میں جان دینا اصلی قربانی و شہادت ہے۔ یہی تو رسولی اسکیم کی روح تھی جس کے تحفظ کے لئے امام حسین نے جان دی اور روح اسلام کو زندہ کر لیا۔

جس سے عالم میں صحیح انقلاب ذہنیت پیدا ہوا قیدی قیدخانے توڑ توڑ کر تخت و تاج اموی الٹنے کا تہیہ کر کے نکل پڑے پشتینی دشمن بنی ہاشم کے اموی خاندان میں معاویہ بن یزید بن معاویہ کی ایسی ہستی پیدا ہو گئی جس نے اپنے تخت شاہی سے پہلی تاریخی تقریر میں بنی امیہ کی ناحق کوشی باطل پرستی کا دل کھول کر خاکہ اڑایا۔ خلیفہ عبد العزیز اور دیالمہ نے اس تخت و مملکت میں بیٹھ کر ظلم و استبداد و بدعتوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں شہادت حسین نے حسینیوں میں وہ زبردست انقلاب ذہنی پیدا کر دیا تمام دنیا کے سفاکوں ظالموں دشمنوں کے ڈھائے ہوئے پہاڑوں کو پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور ہر ظلم و خونریزی کے بعد بھی آگے ہی قدم بڑھاتے گئے اور پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیا یہانتک کہ وہ شریف النفس قوم رسولی مشن کی ایک اہم کڑی بن گئی اور قول امام کی تصدیق کر دی ”شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا“ شیعوں کی خلقت تو ہماری ہی بچی ہوئی مٹی سے ہوئی ہے اس کے خواص آثار اعمال و افعال جبتک اس طینت طیبہ سے ملتے جلتے رہیں گے اور حسینیت پر باقی رہیں گے علم اسلام سرنگوں نہیں ہو سکتا اور یہ ذہنیت جب تک ان میں صحیح طور پر باقی رہے گی نہ اسلام حقیقی مردہ ہو سکتا ہے نہ شیعیت جو مرادف انسانیت ہے فنا ہو سکتی ہے کتنی بھی ظلم کی تاریک گھٹائیں اٹھیں اور کتنے ہی خونی سیلاب آویں شرط یہ ہے کہ حسینیت پر جمے رہو۔

امام حسین کی شہادت نے جو انسانی ذہنیت میں انقلاب عظیم پیدا کیا اس کے چند نمونے اختصاراً حسب ذیل ہیں

(۱) ملوکانہ جلوسوں اور شاہنشاہانہ مظاہروں کی جگہ عزاداری کے جلوسوں نے لی اور ان مادی جلوسوں سے بدرجہا زیادہ عزاداری کا جلوس جو روحانیت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے قابل احترام ہو گیا۔

(۲) سلاطین کی مسرفانہ زندگی اور لہو و لعب کے ساتھ ساتھ ایک مداوں کے خزانے کی روحانی زمرے میں بجٹ کا زریں گوشہ لے سکی۔

(۳) امراء کی خودداری و خودنمائی و شخصی برتری کے لیے ایک ایسا موقع ہی فراہم ہو گیا کہ غرباء کے دوش بدوش تواضع و مساوات برتیں اور سر برہنہ و برہنہ پا جلوس عزا کے ساتھ پیادہ چلیں اور فرش عزا پر برابر بیٹھیں

(۴) موسیقی و غنا کی لہوی محفلوں کا چند روز التوا کر کے صف ماتم پر سوز خوانی کی مجلسیں ہوں اور بجائے خوشی و فرحت و انبساط کے رونے رلانے کا دھندا ہو۔

(۵) راجہ و نوابین و امراء و سلاطین کے مسرفانہ و ملوکانہ لباسوں کا اتار کر شال عزا کا استعمال ہو اور طلائی و نقرہ زیوروں کی جگہ ہتکڑیاں اور سوتی نارے پہنے جاویں

(۶) بدحقیقت اور ذلیل پیشوں کو حسین کی بدولت سقار اور بیک تنکھوک و سلاطین و امراء عزت قرار دیں اور پیشہ وری

کی ذلت کو عزت کے چار چاند لگا کر اقتصادی صحیح پیشہ وری کی راہ کھلی۔

(۷) جھوٹے قصے کہانیوں سے دل بہلانے والوں کے لیے حسینی کی سوز و گداز بھری سبق آموز داستان کو جگہ ملی۔

(۸) حماسی نظموں اور جھوٹی تعریفوں کی جگہ اور عشقیہ غزلوں کی جگہ مرثیہ گوئی و نوحہ گوئی نے ادب میں ایک بہترین اور زریں روحانی ادبیت کا اضافہ ہوا عربی ادب کو دیوان حماسہ پر اور فارسی ادب کو شاہنامہ فردوسی پر ناز تھا اب قریب قریب اکثر زبانیں ہزاروں دیوان حماسہ اور شاہنامہ حسینی رزم و بزم کی تفسیر پیش کر رہی ہیں۔

(۹) لکچرار خطیب اپنی خوش بیانی اور تقریروں سے بڑے سے مجمع کو مسحور کر کے فصاحت و بلاغت کے ڈنکے بجواتے تھے امام حسین کے ذاکر دل مقرروں خطیبوں کی فصاحت و بلاغت کے آج غیر اقوام بھی لکچرار معترف ہیں اور ایسی ذاکری سے فائدہ اٹھانے کے لیے دور دور مقامات پر جمع ہو کر حیات اجتماعی اور رواداری و محبت و اخلاص کے مظاہرے کرتے ہیں۔ شہادت امام حسین نے غیر اقوام کو باہم مل بیٹھنے کا موقعہ نکالا۔

(۱۰) ہندوستان میں "مسٹر ہیوم" نے لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کی مدد سے انڈین نیشنل کانگرس کی سنہ ۱۹۱۵ء میں اس غرض سے بنیاد ڈالی تاکہ حاکم و محکوم کو ایک دوسرے سے آگاہ رکھے سنہ ۱۹۱۵ء تک کانگرس کا معمولی رویہ عرض و معروض کا رویہ اختیار کیا اور نہ ہڑبونگ مچایا نہ حکومت و اقوام عالم کو چیلنج دیے نہ معاندانہ رویہ اختیار کیا بلکہ حسینی مظلومیت اور خالص حسنیت کو پیش کر کے ایک نیشن بنانے میں اقوام عالم میں وہ کامیاب کوشش کی جس سے مذاہب عالم نے حسین کے نام پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کو سوشل زندگی کا بہترین ذریعہ سمجھا بجز ہڑبونگ پرستوں کے وہ کون قوم ہے کہ شیعہ مجلسی زندگی سے علیحدگی پسند کرتی ہو حاکم و محکوم کے تعلقات بھی استوار رہے اور بین الاقوامی برادری و رواداری بھی قایم رہی۔ لیکن جیسے حکومت نے ہنگامہ پرستوں اور ہڑبونگیوں کو خاموش کرنے اور ملائے رکھنے کے واسطے اپنی پالیسی کو بدلا اور مظلوم حسینی قوم کو پامال اور پیسنا شروع کیا اس وقت سے نہ بین الاقوامی خوشگواری رہی اور نہ حکومت و محکوم شیعوں میں ہم آہنگی رہی۔ ہم کو نہ تو اقوام عالم کو تاریخ شیعہ کی ورق گردانی کرانا منظور ہے نہ حکومت کو جو کچھ کہنا ہے شیعہ قوم سے جو مختصر یہ ہے کہ "شیعوں کی مجلسی، انفرادی معاشی و معاشرتی اقتصادی سیاسی، اخلاقی، مذہبی، تمدنی، غرضکہ ہر شعبہ زندگی کا مدار اور اساس حسینیت ہی ہے اور ہر مرض مصیبت و صعوبت و تکلیف کی شافی دوا حسینیت ہی ہے ہر علاج کو حسینی کارنامہ شہادت میں بغور دیکھنے سے تم کو پتہ ملے گا اسی حسینیت پر تم کو پیدا ہونا اور مرنا ہے۔ اور ہر دور اور ماحول میں حسینیت ہی تمہاری حفاظت و زندگی کی ضامن ہے جس نے تیرہ سو سال سے تمہاری حفاظت ہی نہیں کی بلکہ تم کو ایک کارآمد قوم بنا دیا حسینیت کے صحیح سبقوں کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل رکھتے ہی میں تم زندہ قوم رہو گے ورنہ ہلاک و فنا ہو جاؤ گے۔

رباعی

جناب نواب سید محمد حسین صاحب کوثر کانپوری

جبریل امین ہم نوا میں بھی ہوں
سلمان کی طرح مدح سرا میں بھی ہوں
کیوں در نہ کھلیں میرے لئے جنت کے
مداح شہ عقدہ کشا میں بھی ہوں

"واقعۂ کربلا کی اہمیت"

(عالیجناب ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری صاحب - بیرسٹر - ایٹ - لا)

شخصی نظام سلطنت کی تاریخ کے جس ورق کو پلٹو، کمزوریوں، خرابیوں اور خود غرضیوں کی مثالوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ پہنائے ہستی کے جس گوشہ میں نظر ڈالو شخصیت و استبداد کے ایسے لرزہ خیز و المناک مناظر دکھائی دیتے ہیں جو تہذیب و شرافت اور فطری آزادی کے لئے سم قاتل ہی نہیں بلکہ انسانیت سوز ہیں۔

دنیا میں بڑے بڑے انبیاء، ریفارمر، رشی منی ان کمزوریوں کو دور کرنے کیلئے آئے مگر انکا انسداد نہ ہو سکا۔ اسلام جس وقت دنیا میں آیا تو شخصیت و استبدادیت کی ظلمت صرف ریاستوں اور حکومتوں ہی پر مسلط نہیں تھی بلکہ وہ ہر شخص جسکو غلبہ و طاقت سے کچھ بھی امتیاز و تفوق حاصل تھا وہ اسکے ناجائز استعمال کے لئے پوری طاقت صرف کر رہا تھا۔ خود پرست انسانی پتلے اپنے رکیک خیالات کی پیروی، ذاتی اغراض کی تحصیل اور ناجائز خواہشوں کی تکمیل کے لئے اپنے ماتحتوں اور عوام الناس کو دبا رہے ہوئے تھے۔ ضعیف و کمزور انسان استبدادیت کے ان مجسموں کی پرستش کے لئے مجبور تھے۔ اسلام نے اس چیز کو شدت سے محسوس کیا اور استقلال و پامردی کے ساتھ اسکو مٹانے کی عملی کوشش کی۔ قرون اولیٰ کا عہد سعید اس حقیقت کا روشن ترین آئینہ ہے۔

جمہوریت کا جو نظام، آزادیٔ فکر و رائے کا جو نظریہ، سادگی و مساوات کا زاویۂ نگاہ اسلام نے پیش کیا ہے اسکی پاکیزگی کا غیر اقوام کو بھی اعتراف ہے۔

گبن اسلام کے قرون اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے کیا خوب کہتا ہے "انکی سادہ اور بے لوث زندگی ان کے اخلاق و عادات کا نتیجہ تھی اور انکی سادگی شاہان عالم کے شان و اقتدار کو شرمندہ کرتی تھی۔"

یہ قرن زیادہ دنوں تک نہیں رہا اور بنی امیہ کے آنے کے بعد سے تو اسلامی حقیقت صرف جزو تاریخ بن کر رہ گئی قیصر و کسریٰ کے جزو نظام بن کر رہ گئے۔ سچائی کی جگہ عیاری نے لی، سادگی ترک و احتشام سے بدل گئی، حق کی جگہ باطل کا پرچم لہرانے لگا۔ منشیات جزو معاشرت بن گئے۔ من قتل مؤمنا متعمدا کی وعید تو کیا قتل اہلبیت کی سنگینیت بھی انکو نہ ڈرا سکی۔

کہاں تو وہ زمانہ کہ نبی کریمؐ ہمسے رخصت ہوتے ہیں اسلام کی جڑیں ابھی مضبوط نہیں ہیں مگر امت کی تنظیم ہمیں پر چھوڑ دیتے ہیں اور کہاں امیر معاویہ کا یہ رویہ کہ وہ اپنے لڑکے یزید کو اپنا جانشین نامزد کرتے ہیں وہ تو یہ کہئے کہ مقابلہ ایک ایسے شخص سے تھا کہ عالی ظرفی اور ایثار جسکی گھٹی میں پڑے تھے اور جو افتراق کا دشمن تھا۔

حضرت امام حسن نے سرتمام دنیوی خواہشات و ترغیبات سے منھ موڑ کر مسلمانوں کو ایک بڑی کشمکش سے بچا لیا اسطرح انھوں نے اپنا درجہ بہت بلند کر لیا اور اس وقت اسلامی کشمکش ٹل گئی مگر آخر کب تک ٹلتی۔ کربلا کے واقعات ہونے کو تھے ہو گئے ان کی تفصیل کچھ ہو لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام حسین کو مع اپنے خاندان اور رفقا کے گھیرے گئے اور کربلا کے مقام پر وہ سب ظلم و تعدی کا شکار ہوئے اہل مدینہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی تو ان میں یزید کے خلاف سخت جوش پیدا ہوا۔ یزید نے اس کے دبانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی اور استبدادیت پر ایک کاری ضرب لگی۔ ایران میں بھی اس واقعہ کا بہت گہرا اثر ہوا۔ ان کی ہمدردی اس وجہ سے دوبالا ہو گئی کہ امام حسین کی زوجہ محترمہ (شہربانو) شاہ ایران کی بیٹی تھیں۔ اس واقعہ نے اہل ایران میں جذبہ وطنیت پیدا کر دیا اور وہ اتنا ابھرا کہ اس نے آخر میں بنی امیہ کے قصر سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور عباسیوں کو برسر اقتدار کر دیا۔

امیر علی نے سچ کہا ہے کہ امام حسین کی شہادت عظمیٰ نے ابنائے اسلام میں ایک بہت تلخی پھیلا دی۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات

صاف ظاہر ہوتی ہے کہ حق کی حمایت اور اصول کی حفاظت کے لئے اکثر بڑی قربانیاں کی گئی ہیں اور اُن سے غیر معمولی نتائج مرتب ہوئے ہیں۔ سقراط نے توہم اور باطل پرستی کو مٹانے کے لئے زندگی کی کوئی حقیقت نہ سمجھی اور زہر کا پیالہ پی کر سچائی کی ضیا کو قائم و مستحکم کیا اور تمام عالم کو اپنے اصول کا گرویدہ بنا دیا۔ حضرت عیسیٰ پر یہودیوں نے جو ظلم و ستم ڈھائے یہ انہیں کا نتیجہ ہے کہ عیسائیت نے آج دنیا کے بسیع خطہ کو گھیر لیا ہے۔ کربلا کی سفاکیوں نے بھی اسلامی تاریخ کو بدل دیا۔ تیرہ سو برس کے اندر تیرہ سو محرم گذر چکے اور ہر محرم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ حضرت امام حسین کے جسم سے دشت کربلا میں جتنا خون بہا تھا اس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا اشکہائے ماتم و الم کا ایک سیلاب بہا چکی ہے اور آج بھی ہماری زبانوں پر وہ اشعار ہیں جو حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی اس واقعہ کے بعد پڑھا کرتی تھیں

مَاذَا تَقُوْلُوْنَ اِنْ قَالَ النَّبِیُّ لَکُمْ

مَاذَا فَعَلْتُمْ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ

بِعِتْرَتِیْ وَبِاَھْلِیْ بَعْدَ مُفْتَقَدِیْ

مِنْھُمْ اُسَارٰی وَمِنْھُمْ ضُرِّجُوْا بِدَمِ

ترجمہ:۔ کیا کہو گے جب نبی کریم تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو، تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے ہوئے ہیں۔

اس واقعہ سے ہمیں بہت سے سبق ملتے ہیں لیکن ہم دس دن بکا۔ ابکی و تباکی کے اصول پر عمل کر کے بھول جاتے ہیں۔ ہم اس واقعہ کی تاریخ صحیح طور پر نہیں پڑھتے ورنہ ہم کو معلوم ہو جاتا کہ یہ واقعہ صرف رونے اور رلانے کا نہیں ہے بلکہ حاصل کرنے کا ہے آپ جانتے ہیں کہ جس وقت امام حسین نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو آپ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر نے مدینہ سے ممانعت کی، ابن عباس نے خاص طور پر روکا مگر آپ نہ رکے۔ روانگی کے بعد بھی راستے میں مشہور شاعر فرزدق ملا اور اُس نے کوفہ کے حالات پر ایک جملے میں کافی روشنی ڈالی تھی اس کے آپ کے سوال پر یہ کہا تھا کہ کوفہ والوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ۔ پھر زرود کے مقام پر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل جن کو آپ نے اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بطور مقدمۃ الجیش کے بھیجا تھا وہ قتل کر ڈالے گئے تو اگر اس واقعہ کا نتیجہ اور مقصد صرف رونا اور رُلانا ہی ہوتا تو آپ شام کی طرف جاتے ہی نہیں یا راستہ سے واپس آجاتے لیکن خدا کو تو اس واقعہ سے ہمارے دلوں میں اسلام کی عظمت جاگزین کرنا تھی۔ ہم میں عزم و استقلال پیدا کرنا تھا اور ہمیں یہ بتانا تھا کہ اسلامی اصول کے تحفظ میں امام دُنیہ کی قربانی نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی حرمت قائم رکھنے کے لئے یہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھیں کہ۔ ع

خود دوہ جان بکف از پئے نثار آمدہ ام

اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ جائیں تو رونے رلانے کے بجائے اپنے دلوں میں ایک ایسا سچا جذبہ پیدا کریں گے کہ جس سے وہ پیشتر (سمندر در مدور) جو حضرت امام حسین کو کربلا لے گئی ہماری شاہراہ عمل بن جائے گی۔

ریویو

اشارات غم

جناب نجم آفندی اکبرآبادی کا شاہکار ہے جس میں جدید طرز کے ۶۵ صد آفریں نوحے درج کئے گئے ہیں۔ ان نوحوں میں ملی مسائل اور تاریخ کے اُن دردناک اوراق کو شاعرانہ لطیف دلکاری سے مرصع کیا گیا ہے۔ جو مظلومیت کو صحیح لباس میں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں جناب نجم آفندی مدظلہ کو مدح میں ایسا کمال حاصل ہے کہ وہ حیرت آفریں واقعات کو بھی اسلوب خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں کہ سیرت مظلوم کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے زیر نظر نوحے قومی تعمیر کیلئے ایک اعلیٰ درجہ کے خطیب کا کام کرتے ہیں۔ جدت اور بیانگی نے ان کے اثر میں بے پناہ میں ملنے کا پتہ مصطفےٰ علی صاحب ہاشمی مسجد آرجی کھنؤ قیمت ۱۲/

حسین علیہ السلام اور اسلام

(از جناب سید عابد حسینی صاحب وکیل و مدیر مسلم ریویو لکھنؤ)

تباہی میں سفینہ آچکا تھا امتِ جد کا
یہ کشتی ڈوب کر خوں میں شہ دیں نے نکالی ہے

"جب ظلم اپنی حد سے گزر جائے۔ جب طاقت کا نشہ اور قوت کا نشہ انسان کو از خود رفتہ بنا دے۔ جب حق کے افق پر باطل کی گھنگھور گھٹائیں چھا جائیں جب راستی کے گل کرنے کی فکر میں کفر و ظلمت کی آندھیاں چلنے لگیں۔ جب بدی کی فوجیں نیکی سے برسرپیکار ہو جائیں جب نقشۂ عالم امن و امان سے مٹانے کے لئے اقتدار پامال کرے تو غیرت حق کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ظلمت کے طلسم خانے کو توڑنے کے لئے۔ باطل کی فرعون ساما نیوں کو خاک میں ملانے کے لئے اور کفر کے دہن پر اسوہ حسنہ کی ضرب لگانے کے لئے مادر دنیا کے آغوش میں ایسا انسان پیدا کرے جس کی مسلسل جدوجہد اور سرفروشانہ قربانی اور ایثار نفس سے نظام عالم قائم رہے۔"

جس وقت سرور دو عالم مبعوث بہ رسالت ہوئے ہیں ہر طرف ظلمت کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ دین عیسوی مصریوں یونانیوں اور رومیوں کے عقائد سے مل جل کر ایک طرفہ معجون بن گیا تھا جسکو قسطنطنین نے اپنے ممالک محروسہ میں بہ زور شمشیر پھیلایا۔ ہر طرف تثلیث کی منادی ہو گئی تھی۔ مغربی ایشیا شمالی افریقہ اور جنوبی یورپ میں باپ بیٹا اور روح القدس کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ ایران اور اس کے توابعات یزداں اور اہرمن میں تقسیم ہو گئے تھے۔ باقی ممالک خصوصاً چین اور ہندوستان میں سینکڑوں دیوتاؤں کے مندر قائم ہو گئے تھے۔ اس وقت دنیا کی یہ حالت ہو گئی کہ ہر طرف شرک اور کفر کی ظلمت نے خلق خدا کے دیدہ و دل پہ پردہ ڈال دیا تھا۔ مشہور بانیان مذاہب کی سچی تعلیم افسانہ ہو گئی تھی اور دین محض رواج و رسم کا نام رہ گیا تھا اس وقت رحمت الٰہی کو جوش آیا اور جناب محمد مصطفٰےؐ کو مبعوث فرما کر کائنات عالم کی اصلاح کی صورت پیدا کی۔

کارلائل کا قول ہے: "جنھیں ہم روشن دماغ کہتے ہیں وہ حقیقت میں دنیا والوں کے واسطے خدا کے بے بہا انعام ہیں۔ ان کی پاک روح فی الواقع آسمان سے پیغام الٰہی لئے ہوئے نازل ہوتی ہے"۔ پھر تحریر کرتا ہے "اس سیاہ روشن چشم فراخ حوصلہ۔ کریم النفس۔ معاشرت پسند اور درد بھرے دل والے بادیہ نشین کے خیالات جاہ طلبی سے کوسوں دور تھے اس شخص کی عظمت میں متانت کی شان نظر آتی تھی اور اس کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کا شعار سچائی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور جو نہایت بے لوث اور سچے ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ حکمانہ مسائل اور سنی سنائی باتوں کو اپنا مسلک قرار دیکر دل کو تسلی دے لیتے ہیں۔ لیکن اس شخص کو تسکین ان باتوں سے نہ ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی روح اور عالم شہود کے مظاہر و اسرار کے ساتھ عرصۂ کائنات میں اکیلا کھڑا ہوا تھا۔ حیات و ممات کا عظیم الشان عقدہ کبھی اسکو اپنا ڈراؤنا چہرہ دکھاتا تھا۔ اور کبھی اپنے نور کی چمک سے اسکی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتا تھا۔ انا الموجود کی ناقابل اظہار حقیقت

کو ملفوظات اور مسموعات اسکے ادراک سے مخفی نہ رکھ سکتے
تھے۔ اسکی سچائی اور خلوص ایک طرح سے بادی الاول معلوم
ہوتی تھی۔ ایسے شخص کی بات اس صدا سے تعبیر کیجا سکتی ہے
جو براہ راست خود فطرت کے دل سے نکلی ہو۔ اسی آواز کو
انسان سنتا ہے اور لازم ہے کہ انسان اس آواز کو سنے۔
اس ایک آواز کے مقابلہ میں باقی تمام صدائیں بے معنی ہیں۔

کارلائیل اُس صدی سے تعلق رکھتا ہے کہ اسلام کی حقیقی
عظمت کا اعتراف کرنے کے لئے فرنگی مورخین پادریوں کے
متعصبانہ پروپیگنڈے سے آزاد ہو کر راغب ہوئے ہیں۔
اس حق پرست مورخ نے جناب رسالتمآبؐ کی صداقت پر
مہر تصدیق اپنی ثبت کی ہے۔

ریورنڈ بوسورتھ اپنی تالیف "محمد اور محمڈنزم" میں تحریر
فرماتے ہیں:۔ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام ہی
وہ مذہب ہے جس نے انسان کی قربانی کی قبیح رسم کو موقوف
کر دیا۔ اس مذہب نے تحصیل علم و اشاعت علم کی ترغیب دی اور
ترقی کی فکر کی۔ اسکے علاوہ عریاں و غیر عریاں رقص و سرود
کو منع ہی نہیں کیا بلکہ حرام قرار دیا۔ اور سود۔ جوا۔ دختر کشی کو
بند کر دیا۔ اور تہذیب و اخلاق کے دروازے کھول دیئے
اور قاف سے تا قاف ایک دین کی اشاعت کی۔

ڈاکٹر جی۔ اس۔ آرنڈیل صدر تھیوسوفیکل سوسائٹی ہند
اصول اسلام کو اپنے اصول سے تطبیق دیتے ہوئے احسانات
اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں:۔ "آج دنیا کے
تہذیب و تمدن کا کیا انجام ہوا ہوتا اگر اسلام نہ ہوتا۔"

جی۔ بی۔ شا جو انگلستان کا مشہور دہریہ ہے اور
تمام عالم میں اُس کے زور قلم اور مادہ پرستی اور تردید مذاہب
عالم کی شہرت ہے عبادت پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے:۔
عبادت جو غرض پر مبنی ہو وہ فضول ہے تضیع اوقات
ہے پھر بھی ایک سکون قلب اس سے ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔
اگر تم اسکی دعا کرو کہ گھوڑ دوڑ میں تمہارا ہی گھوڑا کامیاب ہو کر
بنسبت دوسروں سے [illegible] آنحضرت [illegible] کی [illegible]
نہیں ہو سکتی ہیں۔ [illegible]
صرف کر دیئے وہ فضول صرف ہو گا۔ البتہ اگر [illegible]
دعا کرنے سے تمہاری [illegible] قوت پیدا ہو [illegible]
خیر تمہاری دعا بیکار نہیں گئی [illegible] لیکن [illegible]
عبادت اور دعا جس سے [illegible]
کہ محمد مصطفیٰؐ پیغمبر اسلام نے فرمایا [illegible]
سے یا خوشبو سے زیادہ مرغوب [illegible]
شخص کو رسول اسلام کی عظمت و رفعت [illegible]
اس روایت کو جس میں نماز و دعا کی [illegible]
ہرگز تضیع اوقات سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار [illegible] اعتراف کا [illegible]
جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر [illegible]
بشرطیکہ اقرار و اعتراف صرف بالکسان ہی نہ ہو بلکہ [illegible]
بالعمل ہو۔ تب عبادت اور دعا کی لذت سے قلب آشنا
ہو سکتا ہے۔ نہ صرف نماز و عبادت و دعا میں حاضر [illegible]
محسوس ہونے لگے گی بلکہ اطاعت۔ انقیاد۔ خشوع۔ استقلال
توکل اور اخلاص کا نشو و نما ہو گا اور یہ صفات حمیدہ میسر
حاصل ہو سکتے ہیں جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں۔
تمام ضرورتوں۔ تمام اُمیدوں۔ تمام اغراض تمام خواہشوں
کا ایک ہی مرکز ہے۔ انسان میں استقلال آزادی دلیری
بے نیازی ایسے اوصاف توحید کامل کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتے
جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہے اسکا
سر ہر آستانہ پر جھک جانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ ایسی
توحید کامل کو عرب ایسی سرزمین پر اس طرح راسخ کر دینا
کہ پھر کبھی فتور نہ آسکے آنحضرتؐ ہی کا حصہ تھا۔ آنحضرتؐ
نے معبود و عبدیت کے درمیان حد فاصل بہت اچھی طرح
واضح فرما دی اور اسی کی تعلیم و تشریح نے توحید کو راسخ
کر دیا۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ مسلمان نو مسلمان آج جس

مذہب کے آدمی سے دریافت کیجئے تو صاف کہدے گا کہ میں توحید کا قائل ہوں۔ آنحضرت ہی کا یہ فیض ہے جس نے توحید کو اس درجہ کامل کر کے راسخ کر دیا۔ زمانہ لاکھ ترقی کر جائے مگر توحید قرآنی کے درجہ سے آگے کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عالم میں ہزاروں انقلاب پیدا ہوں اور اہل اسلام خدانخواستہ مغلوب ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر لا الہ الا اللہ کے طیب کلمے نوشتہ ازل کی طرح مٹا نہیں سکتے

لیکن افسوس کہ آنحضرت کے بعد فوراً ہی انقلاب کا زمانہ آیا اور آنحضرت کی ریاضت و محنت معرض خطر میں مبتلا ہو گئی۔ سفینۂ اسلام ضلالت کے طوفان و تلاطم میں آن پڑا۔ مسند رسالت پر وہ خبیث فطرت اور ننگ انسانیت استبدادیت کے ساتھ غاصب ہو گیا جس نے بالاعلان محفل رقص و سرود منعقد کی۔ شراب نوشی۔ نفس پرستی۔ زناکاری جاری کی۔ نماز روزہ کا مذاق اڑا دیا۔ اصحاب رسول کی توہین کی۔ منہیات کو جائز قرار دے دیا۔ اور اس کے مذہب کا حال اور اسلام کی جو وقعت اس کے دل میں تھی اس کے اس شعر سے واضح ہے۔

لعبت بنو ہاشم بالملک فلا
ملک جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم پر نہ کوئی وحی آتی تھی نہ ان کے پاس کوئی فرشتہ آتا تھا بلکہ ان لوگوں نے تو ایک کھیل کھیلا تھا اور بس۔

ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک۔ روز ازل سے لیکر اس دن تک۔ از آدم تا ایندم اس مقدس اور مبارک فہرست میں جس میں باطل کے تمام بتوں کے چور چور کرنے والوں کا نام درج ہے محمد و آل محمد کے جوان و پیر اطفال و مخدرات کا اسم اقدس زریں حروف میں نظر آئے گا۔

میری نظروں میں اسوقت مذاہب عالم کے اعظم ادیان کے شہداء کی فہرست موجود ہے۔ مجھے کوئی نظر نہیں آتا وہ گوتم بدھ کی ذریت ہو یا زرتشت پیغمبر آتش پرستان کی ذریت ہو یا جناب موسیٰ کے ماننے والوں کی ہو یا جناب عیسیٰ مریم کے گھرانے کی ہو یا اور کسی مذہب کا بھی ہو اور اس کی عترت ہو یا سقراط ہو جو کوئی ایسی مثالی قربانی اور صبر کی پیش کر سکتی ہو جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہلبیت علیہم السلام نے پیش کی ہے۔ اس نیلگوں آسمان کے نیچے سینکڑوں مذاہب کے شیدائی ایسے گزرے ہیں۔ ہزاروں تو ایسے ہیں جن کا تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے اور جنھوں نے قربانیاں کی ہیں۔ جاں نثاریاں کی ہیں۔ اور شہید بھی ہوئے ہیں۔ ظلم اور شقاوت کے پہاڑ ان پر توڑے گئے ہیں لیکن آل محمد کے اور بالخصوص شہدائے کربلا کے اس اعلیٰ معیار اور بالعموم عمل کو جس نے حق کے نام کو اسقدر بلند کر دیا کہ لفظ کی بندش ختم ہو گئی کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی۔

"بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ تمام خوبیوں کا مجموعہ جس پیمانہ پر تیار ہو سکتا ہے۔ نیکیوں کی بڑائی جس حد تک کی جا سکتی ہے۔ تمام خصوصیات کی تصاویر جس اعلیٰ شان میں دنیا کے سامنے کسی البم میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ وہ ساری بڑائی اور تمام بلندی۔ وہ سب اچھائی جس سے انسان حقیقی انسان بن سکتا ہے بدرجۂ اولیٰ اہلبیت میں اگر نہ ملے اور اس کی زندہ عملی مثال شہدائے کربلا میں نہ پائی جائے تو پھر دوسری جگہ تلاش کرنا جائز ہے۔"

حسینؑ تاجدار نبوت کے نواسے تھے۔ علیؑ کے فرزند تھے۔ فاطمہؑ کے پیارے تھے۔ عالم بھی تھے۔ فاضل بھی تھے۔ فلسفی بھی تھے۔ قرآن صامت کی تفسیر بھی تھے اور قرآن ناطق بھی تھے۔ شجاع بھی تھے۔ بہادر بھی تھے۔ حلیم بھی تھے۔ سخی بھی تھے۔ عابد بھی تھے۔ زاہد بھی تھے۔ حکیم بھی تھے۔ کریم بھی تھے۔ کربلا میں آکر تشنہ بھی تھے۔ گرسنہ بھی تھے زخمی بھی تھے۔ غم و زخم خوردہ بھی تھے۔ فکر مند بھی تھے۔ مگر راضی بہ رضائے الٰہی بھی تھے۔ میراث رسول کے حامل بھی تھے۔

اسلام جو دین الٰہی تھا اور رسول کی بعثت کا غائت تھا آپ اُسکے
ترجمان اور محافظ بھی تھے۔ آپ دنیا کی تاریخ میں اپنی آپ
مثال ہیں۔ مذاہب عالم میں جو اندنوں مذاہب اعظم کہے
جاتے ہیں یعنی بُدھ۔ پارسیان۔ اسرائیلی۔ اسلام ان مذاہب
میں بجز شہید کربلا کے دوسری کوئی ایسی مثال نہیں پیش کی جاسکتی
ہے کہ جو حق کی حمایت میں مصیبت اور تکلیف میں گھر کو
اپنی جان کو اور اپنے گھر بھر کی جان کو اس طرح خوشی خوشی قربان
کر دیا کہ ماتھے پر شکن نہ آنے پائے۔ پائے ثبات میں
تزلزل نہ ہو۔ استقلال میں ذرہ برابر فرق نہ آئے اور اگر
شش ماہے کو تیر لگے تو اُس کے خون سے اپنے کو رنگین
دیکھکر اس بچے کو دم توڑتا ہوا گود میں پاکر شکر خالق ادا کرے
پیاس و گرسنگی کو اس طرح بھولا ہوا ہو کہ آب و دانہ کی یاد
بھی نہ ہو۔ موت سے اس طرح بغلگیر ہونے کے لئے بے چین
ہو نہ وصل یار سے تعبیر کی جائے۔ مصائب کے کوہ کو سبکساری
کے ساتھ برداشت کر گیا ہو۔ کڑیل جوان کو ایڑیاں رگڑتے
دیکھنا۔ برابر کے شانہ بریدہ بھائی کے خستہ فتنہ سر کو گود میں
لیکر تلقین پڑھنا اور ان تمام مصائب پر سجدۂ شکر کرنا اور
اُف تک نہ کرنا۔ مافوق الانسان کا کام ہے اور کائنات
عالم کی تاریخ میں بے مثل و بے نظیر ہے۔ اور اگر سچ ہے تو
دریت تاجدار اسلام میں جس قدر حسن نے ودیعت کیا تھا
اور اس کا مظاہرہ کربلا کے میدان میں شہید اعظم اور اُن کے
بہادر اصحاب نے عملاً کر کے دکھا دیا۔

یزید پلید کے غلبہ خلافت کے بعد حسینؑ کی آنکھوں کے
سامنے آغاز اسلام ہی کا منظر تھا۔ ظلم اپنی حد سے گزر چکا تھا
قوت کا گھمنڈ۔ استبدادیت کا غرور۔ حکومت کا نشہ
اُس غاصب کو مخمور کر رہا تھا۔ حق کے افق پر باطل کی
گھنگھور گھٹا چھا چکی تھی۔ نور اسلام کے گل کرنے کی فکر میں
یزیدی کفر و ظلمت کی آندھیاں چلنے لگی تھیں۔ بدی کی
فوجیں شام و کوفہ دوڑے فاطمہؑ کے بچے تاجدار اسلام کے
نواسے علیؑ کے بیٹے حسنؑ کے بھائی کے ساتھ برسرپیکار
ہونے کے لئے اُمنڈ کر آنے لگیں۔ فتنۂ شام نور اسلام پر
نرغہ کرکے فنا کر دینے کے لئے اقتدار حاصل کر چکا۔

اُس وقت پیغمبر آخرالزماں کا نواسہ جس کی پہلی دنیاوی
غذا خود آنحضرت کا لعاب دہن تھا۔ اور شیر خدا علی مرتضےٰ
کی شجاعت و جرأت کا وارث۔ خاتون جنت کی آغوش
کا پالا اور شیر کا پرورش پایا ہوا فرزند حسنؑ ایسے
صابر بھائی کا قوت بازو جناب امام حسین علیہ السلام
اپنے نانا کی ریاضت رسالت۔ بابا کی شجاعت ماں
کے صبر و ہمت اور بھائی کے جذبہ صلح و توکل کے مظہر بنکر
باطل کی فرعون سامانیوں کے مقابل آئے۔ اور جو کچھ اسلام کی
خدمت کر گئے وہ وہ خدمت ہے جسکو کیا خوب کہا ہے

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

ڈاکٹر جی۔ اس۔ آر۔ سنڈل صدر تھیوسوفیکل سوسائٹی
نے اسلام کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے جو یہ ارشاد
فرمایا ہے آج دنیا کی تہذیب و تمدن کا کیا انجام ہوتا اگر
اسلام نہ ہوتا۔ اسی اسلام کا اور اُسی کلمہ لا الٰہ الا اللہ
کی بنا حسینؑ نے کمال خندہ پیشانی اور مستقل عزم کے ساتھ
سر اپنا دیکر کربلا کے میدان میں فرات کے کنارے قائم
کی تھی۔ اور اسی سبب سے آنحضرت نے فرمایا ہے
حسین منی وانا من الحسین۔

افسوس ہے کہ مضمون کچھ طویل ہوگیا ورنہ فرات و
بابل کے تاریخی حالات میں عرض کرتا اور دکھلاتا کہ جس طرح
شہید اعظم اپنی عظمت میں بے نظیر ہیں یہ زمین بھی اپنے
مصائب و آلام کے مرکز بنے رہنے میں خاص خصوصیت رکھتی
ہے۔ ضرورت ہے کہ صرف تاریخی حالات سے اور الفاظ

کی رفعت سے ہم ہمیشہ لیکر قانع نہ ہو جایا کریں۔

اگر حسینی کہلانے کے مستحق ہیں تو خصوصیات حسینی سے اپنے کو مرصع بھی کریں۔ بداعمالیوں سے پرہیز کریں۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے ذوق پیدا کریں۔ اپنے میں اتفاق و اتحاد اور اپنے قومی اداروں کو عروج ترقی پر پہنچائیں۔ اپنے جلوس کو با احترام منظم طور پر لیجایا کریں تاکہ پبلک پر اس کا غمناک اثر پیدا ہو۔ جلوس کے ساتھ ظرافت مذاق مسخراپن تفریح سے پرہیز کیا کریں، پان بیڑی سگریٹ نوشی بالاعلان نہ کیا کریں۔ اس ظاہری احتیاط کے ساتھ واقعی حسینی سیرت بھی اخذ کریں۔ حسینی کہکر اگر بھائی کے ساتھ عباس کی وفا نہ پیدا کی۔ حسینی کہکر اگر بہن کی عظمت نہ جانی اور بہن بھی اگر زینبی جذبات سے محروم رہی۔ تو کربلا کے محیر العقول ٹریجیڈی سے ہم نے کیا سبق لیا؟ حسین نے برادر زادے قاسم کے ساتھ جو الفت دکھائی ہم اس سے محروم رہیں۔ حسینؑ نے اپنے فرزند اکبر کی جو قدر کی ہم اپنی تن پروری اور نفس پرستی میں حقوق فرزندان سے غافل رہیں۔ حسینؑ نے جو [illegible] تواضع او عفو کی بے نظیر مثال پیش کی ہم اپنے دشمنوں کے ساتھ استدعا عفو پر بھی اینٹھے رہیں۔ حسینؑ نے تو اپنی خادمہ فضہ کے ساتھ آخری رخصت کے وقت طلب معافی جو سہواً کی ہو اور ہم اپنے ملازمین کو سخت مزاجی اور دشنام دہی کے ساتھ مخاطب کرنے کے عادی رہیں۔ حسینؑ نے تو اپنے اصحاب کے ساتھ محبت فرمائی اور ہم اپنے احباب کے ساتھ منافقانہ سلوک کرنا مصلحت زمانہ سمجھا کریں۔ حسینؑ نے تو اپنے جانوروں بلکہ دشمن کے جانوروں تک کے ساتھ رحمدلی کی بے نظیر مثال قائم کی ہم اپنے جانوروں سے غافل رہنا اپنا فرض سمجھا کریں۔ حسینؑ نے تو قربانی جان و مال کی لاثانی مثال قائم کردی ہم اپنی تن پروری اور خزانوں کی حفاظت پر مرا کریں۔ اور قومی اداروں اور بنی نوع انسان کی خدمت میں صرف کرنا حق سمجھیں۔ حسینؑ نے تو حریت کو حیات جاوید بخشدی ہم اس سے بے نوا رہا کریں اور قومی تحریکات میں حصہ لینا گناہ سمجھا کریں اور پھر دعویٰ کریں کہ ہم حسینی ہیں ماتمدار عباس علمبردار ہیں۔ سوگوار زینب و کلثوم ہیں تو ہم خود غور کریں اور انصاف سے غور کریں کہ حسینی کہلا کر حسینؑ کی عظیم الشان قربانی اور جناب زینب و کلثوم کے مصائب و سوگ نشینی اور جناب عباس کی وفا کی توہین کرتے ہیں یا نہیں؟

اکثر مورخین نے تحریر فرمایا ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلعم پر حالت نزع طاری ہوئی آپ نے آخری وصیت جو فرمائی وہ یہ تھی **الصلوٰۃ و ما ملکت** ایمانکم نماز کے پابند رہنا اور مملوک کے حال پر نظر عنایت رکھنا۔

سوگواران حسینؑ سے مخفی نہیں ہے کہ خود آنحضرت حواس خمسہ تک برابر اس پر عامل رہے۔ جناب شیر خدا علی مرتضیٰ نے حالت عبادت ہی میں جام شہادت نوش فرمایا۔ جناب مسلم کے نوخیز صاحبزادگان حارث ملعون کی شمشیر سے قتل کئے جانے کے قبل نماز و عبادت الٰہی ہی میں مصروف رہے۔ امام حسینؑ نے نماز ظہر میدان کارزار میں حالت اضطراب میں ادا فرمائی۔ اور نماز عصر تو اس شان سے ادا کی جو آپ اپنی نظیر ہے اور وصیت رسول کی لاثانی تعمیل ہے جسکو عزیز مرحوم نے امام حسینؑ کی زبانی یوں نظم کیا ہے۔

نیزے جب سر پہ فلک تھے تو کہی تھی تکبیر
تیر جس وقت برستے تھے پڑھی تھی نماز

پھر ایسے عارفانِ حقیقت اور شہیدانِ راہِ خدا کے ماتمدار ہونے کے مدعی ہو کر اگر حسینی جماعت مجالس کے انعقاد اور ماتم کے انتظام اور جلوس کے اہتمام میں نماز کی اہمیت کو نظر انداز کردے اور آہستہ آہستہ تارک الصلوٰۃ ہو جائے یا مغربیت کی تقلید و یورپین فیشن کی دلدادہ ہو کر نماز کی سنگینیت کو سبک سمجھے تو کیا ہم اپنی بداعمالیوں

سے حسینؑ اپنے شہید اعظم کی روح اقدس کو شاد کرنے کا گمان بھی کر سکتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ہم کربلا کی ٹریجیدی سے مطلق سبق ہی نہیں لیتے۔ اس کے فلسفہ کے سمجھنے کی فکر ہی نہیں کرتے۔ ظاہری شان و شوکت کے دلدادہ ہو گئے اور روح عمل کو فراموش کر بیٹھے ہیں ورنہ آج ہماری جماعت کی طرح کوئی جماعت کائنات عالم میں تمام شعبہ جات حیات میں کامیاب نہ ہوتی اور ہمارا ایمانی جلوہ بھی ہمکو دوسرے ادیان کے مقلدین کے مقابلہ میں ممتاز و سرفراز کئے ہوتا۔ ہماری شیرازہ بندی اور ہماری تنظیم اصحاب حسینؑ کی یکجہتی کی طرح تمام رقیبوں پر اسلام کے دشمنوں پر اور منافقوں پر ہمکو اسی طرح کامیاب و سرخرو بنائے رکھتی جس طرح صرف حضرت قاسمؑ کو ازرق شامی اور اس کے ہر چہار فرزندوں پر جو کئی ہزار پہلوانوں کے برابر تھے فاتح کیا تھا۔

بہادر شاہ ظفر کا ایک سلام

(از ادارہ)

سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر۔ خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ تھے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد حکومت برطانیہ نے انکو نظر بند کر کے رنگون بھیج دیا ۱۸۶۲ء میں انتقال کیا۔ انکا کلام نہایت سلیس اور سادہ اور روزمرہ اردو کا ایک بہترین نمونہ ہے سوز و گداز بھی کافی ہے۔ انکو حضرت امام حسینؑ سے بڑی عقیدت و محبت تھی انکا ایک سلام جناب مرتضیٰ حسین صاحب عرف للن لکھنؤ نے عطا فرمایا ہے جو ذیل میں درج ہے

سلام امام کا کہہ پڑھکے صبح و شام نماز
تو اے سلامی ادا کر نہ بے سلام نماز

نہ ہووے دل میں جو حب نبیؐ و آل نبیؐ
تو کام آوے نہ روزہ نہ کام آئے نماز

جو اس امام کا ہے دوست ہے خدا کا دوست
قبول ہوتی ہے اسکی علی الدوام نماز

جو ہو حسینؑ کا دشمن اسے کہاں ایمان
اگرچہ پڑھتا بھی ہو وہ برائے نام نماز

عبادت ایسی ہو کس سے کہ تھا ادا کرنا
وقت قتل بھی وہ قبلہ انام نماز

کریں یہ اس پہ ستم ہائے کیا مسلمان ہیں
پڑھیں طریق پہ سب جسکے خاص و عام نماز

حسینؑ کا ہے وہ رتبہ کہ چاہیں گر خدا نیا
اگر پڑھائے فرشتوں کو وہ امام نماز

یہ کیا ستم ہے کہ خود پڑھیں نہ پڑھنے دیں
کسی کو اسکے جنازے کی اہل شام نماز

(قطعہ)

کہا یہ شاہ نے اعدا سے چاہئے تم کو
توقف اتنا، کہ ہو میری اختتام نماز

بھرا ہے دل میں مرے آرزو کہ ہو تہ تیغ
ادہر تمام حیات اور ادہر تمام نماز

سرشک دیدۂ پرآب سے وضو کر کے
ہمیشہ پڑھتے ہیں شبیرؑ کے غلام نماز

نہ ہووے کوئی تجھے غم بجز غم شبیرؑ
ظفر یہ مانگ دعا پڑھکے تو مدام نماز

حسین میدانِ خدمت میں

جناب مولانا سید محمد صاحب فلسفی نونہروی ایڈیٹر [illegible]

انسان کو قدرت نے کچھ ایسے ماحول میں خلق کیا ہے کہ
جب سے اسکا نقطۂ وجود قائم ہوا "مشکل" سے شروع ہوا اور جب
اس کا وجود عالم ہستی سے فنا ہوتا ہے اس وقت بھی "مشکل" ہی پر
ختم ہوتا ہے یہ ایک مشاہدہ ہے کہ ہر بالغ اور عاقل بلا قید مذہب و ملت
تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ فطرتِ انسانی نے وجود عالم سے اس "مشکل"
کو اپنے قوائے ذہنی سے حل کرنا چاہا اور اس میں شک کی گنجائش
نہیں کہ کچھ ناکام صورتیں مختلف اوقات میں صحنِ عالم پر نمودار
ہو کر اپنا عارضی رنگ دکھا کر نقش بر آب ہو گئیں۔ مختلف مذاہب
عالم نے اس "مشکل" کے جوابات مختلف صورتوں میں عالم
میں پیش بھی کئے ہیں اور یہ کیفیت صرف دو ہی منظر پیش کر سکی
یا تو تخیلِ انسانی نے غیر انسانی ہستیاں تراش کر ان کو اپنے کمال
علم سے خدائے یکتا کا شریک گردانا اور اس طرح بجائے "مشکل"
کی حقیقت واضح کرنے کے اس پر اوہام کے ایسے سنگین پردے
ڈالے کہ انسان نے اسے اپنی فطرت سے بالاتر سمجھ کر اس کے
حل کا مطالبہ ہی ترک کر دیا جب مذاہب کے یہ صورت
پیدا ہوتی نظر آئی اور بجائے حل مشکلات کے پیچیدگیاں پیدا
ہوئیں تو غور و فکر بجائے توہمات کے آگے سربسجود ہو کے
قدرتاً ایک اور پیچیدگی پیدا کر دی اور کسی خالق حقیقی کے
وجود ہی سے انکار کر دیا اور اس طرح پر ایک آسان مشکل
کو سخت مشکلوں میں یوں رہن بستہ کر دیا کہ اصل سوال
سے کوسوں دور ہو گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا بھی
چاہیئے تھا کہ سیکڑوں نظریئے قائم ہوئے اور ہر نظریہ کا استاد
اپنے ماننے والوں کا دیوتا۔ رشی۔ سردار۔ شیخ بادشاہ
وغیرہ قرار پایا۔ یا انسان بعد غور و فکر کے اس پر کاربند
ہو گیا کہ انسان ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہیگا اور ہر مشکل خود
اسکے سابقہ زندگی کی لغزشوں کی سزا ہے لہذا اصل تو اسکا ہو سکتا ہے جو حادث
ہو قدیم کا حل خود قدیم ہی ہو سکتا ہے اور اسکے حل پر انسان قادر
ہو سکتا ہے اور جسے تم مشکل سمجھتے ہو وہ عمل کے دیوتا کے دربار
سے اجر ملا ہے جس کے۔ دیا مقابلہ کی طاقت انسان کی
قوت سے بالاتر ہے۔ یہ نظریہ وجود مادہ کو قدیم تسلیم
کرنے کے لئے مجبور ہو گیا اور یہی وہ مقام ہے جہاں وجود
وحدہٗ لاشریک کی منزل انسان نے ختم کر دی دونوں
نظریے خیالی خدا تو پیدا کر سکتے ہیں مگر کسی ایسے انسان
کو پیش کرنے سے ہمیشہ قاصر رہیں گے جو باوجود حادث ہونے
کے اتنی بلند منزل روحانیت پر نظر آئے کہ خدائے یکتا
و قدیم کا عملی و علمی ثبوت درجہ حق الیقین تک انسان
کو پہونچا سکے۔

خالق حقیقی کی رحمت کا کرشمہ تھا کہ اصل اصول یعنی
ثبوت وحدانیت کا سبق کچھ ایسے چیدہ پیکر انسانی میں
ودیعت کر کے بھیجا کہ نہ تو انسان سی ہستی جو خود ہزار دل
شکلوں کا شکار تھی وحشت میں مبتلا ہو کر ان نیک طینت
انسانوں سے گریز کر سکے اور نہ اسے ایسا ضعیف ہی کر کے
بھیجا کہ انسانی دورِ زندگی کا آسانی سے شکار ہو کر اصل
غایت کا اجارہ کر سکیں۔ اللہ رے حضرت انسان
کہ خالق حقیقی کے جانب سے رحمت کی بارش ہوتی
رہی اور آپ کی سرکشی اس حد تک بڑھتی جائے

کبھی خود خدائی کا دعویٰ۔ کبھی سنگ و شجر و حوش و طیور اجرام فلکی کو خدا بنا کر ان پاک و برگزیدہ ہستیوں کو اسی "مشکل" کا شکار کر دیا جس کے حل کے لئے بنظر لطف و عنایت عالم ہستی میں خلق کئے گئے تھے اگر کبھی ان برگزیدہ بندگان خاص نے "مشکلوں میں" لطف یکتائی کا جلوہ دکھایا بھی تو لوگوں نے شعبدہ و سحر کہہ کر اپنے دیوتاؤں کے سر فتح کا سہرا چڑھا دیا۔ آخر تا کجے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد جو قدرت کے درس گاہ سے اولوالعزم سندیں لے کر اپنی قوم میں آئے تھے جب سرکشی کا شکار ہو کر "اصل مشکل" کو تمام و کمال حل نہ کر سکے تو وہ ہستی عالم انسانیت کے سامنے پیش کی جاتی ہے کہ جو حل مشکلات کا شہنشاہ اعظم علم و حلم و شجاعت و صبر و سکون کا مالک جس کی انسانی محبت کا اس قدر دائرہ وسیع کہ اپنے قاتل کو بھی دعائے بد سے یاد نہ کرتا ہو جو علائق دنیا کا اسی طرح پابند جیسے کہ اور انسان جیسے بھوک، پیاس کا وہی احساس ہو جو تمام عالم کے لئے عام ہو مگر جس کی نظر میں قارون کا خزانہ ہیچ جس کی فیاضی کی ایک ادنیٰ سی جنبش فقیر کو بادشاہ کر دے جو ظلم کا جواب محبت سے دے اور میدان مشکل کا ایسا شہسوار ہو کہ ہر مشکل اس کے سامنے دست بستہ حاضر ہو۔ کربلا کا مسافر اس تاج کا پورا حقدار نکلتا ہے جس پر زمین کربلا فخر کرے تو کیا تعجب۔ انسانیت فخر کرے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس سے قبل کسی رشی کسی پیغمبر کو بذاتہ مشکل کا مقابلہ کرنا پڑا اگر اپنے مدینے کے چھوٹے تاجدار کو مدینے سے رخصت کیجئے ادھر یہ سلام پیش کیجئے انبیائے سلف کی تاریخ نہ رسول اللہ سا نانا اور نہ حسین سا نواسہ پیش کر سکی آفتاب رسالت جب تک صحن عالم پر درخشاں رہا شجر رسالت اپنے شباب پر رہا جب وہ آفتاب غروب ہوا تو یہ شجر رسالت ایسا پر مژدہ ہوا کہ ہر ثمر بہا سے آفتاب چمکا۔ نانا کی محبت کچھ حسین ہی سے پوچھئے اور اگر اس کا منظر حقیقی دیکھنا ہو تو حسین شب تاریک میں نانا کے مزار پر تشریف فرما ہوئے ہیں کہ آخری سلام کر لیں۔ (ابتدائے مشکل) فرماتے ہیں کہ نانا جان میں آپکی مظلوم بیٹی کا چھوٹا فرزند ہوں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بعد امت نے کیا کیا مظالم کئے۔ مادر گرامی کو کن کن مصائب کا سامنا ہوا پدر بزرگوار اور بھائی حسن کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اب میں غربت میں تنہا ہوں مجبوری سے چھوڑتا ہوں اور آپ کے مزار سے علیحدہ ہوتا ہوں نانا مجھے جیتے جی اپنی لحد میں لے لیجئے تاکہ قیامت تک چین سے سوتا رہوں۔ حسین اس قدر روئے کہ ریش مبارک تر ہو گئی روحانیت کے منازل بھی عجائب و غرائب کے حامل ہیں حسین کی آنکھ لگی تھی کہ دیکھا کہ نانا جان فرماتے ہیں (حل مشکلات کی ابتدائی منزل) کہ بیٹا تمہاری مفارقت مجھ پر بہت گراں ہے کہ امت کی کشتی طوفان میں ہے صبر و سکون سے سفر اختیار کرو خدا ہر مشکل آسان کرے گا۔ آنکھ کھلی رات سنسان اور مزار رسول۔ مسافر کربلا صرف رہ ہر شب کا مہمان مدینہ والوں کا ہے۔

حسین شفیق ماں نے چکی پیس کر پالا تھا اس کی جدائی کچھ نانا کی فرقت سے کم نہ تھی۔ اسی شب تاریک میں مزار خاتون جنت پر حاضر ہو کر بوسہ مزار لے کر جھک کے فرمایا اماں جان آپ کا حسین آخری رخصت کے لئے حاضر ہوا ہے کیا معلوم اس کے بعد پھر زیارت نصیب ہو سکے نہ ہو اب حسین مدینہ سے رخصت ہوتا ہے اور سفر دور دراز پیش ہے گرمی کے دن کڑی منزلیں بچوں کا ساتھ ہے خدائے یکتا رحیم و کریم پر نظر ہے (حل مشکلات کی دوسری منزل) ہاں اماں جان آپ کی زینب و ام کلثوم و رقیہ بھی میرے ہمراہ ہیں حسرت تھی کہ میری

لحد آپ کے پہلو میں ہوتی [illegible] تو دیکھئے مسافر کہاں آرام کرتے ہیں۔

اس بیان خدا حافظ [illegible] نہیں کہ [illegible] کیا جواب اس بارگاہ سے ملا گراں قدر یعنی یہ کہ جس کے در سے کوئی سائل محروم نہ گیا ہو اس کے دروازے سے پیاسا حسین جام وحدت سے سرشار اٹھا ہوگا۔ حسین کی رخصت بھائی کے مزار سے انھیں [illegible] وابستہ ہے غرض از مدینہ تا کربلا ہم اعظیم مشکلات عظیم کربلا کو پیش آئیں کہ اگر انتہائی اختصار سے بھی پیش کروں تو یہ رقتی مضمون کئی جز و پر ختم ہوگا مگر آخری مشکل کیلئے میں نے ایسے اسباب پھر قائم کئے ہیں کہ جس کا مقابلہ صرف وہی کر سکتا ہے کہ جو وجود الٰہی کو یقین کی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتا ہو اور جس کے منازل عرفان اس حد تک بلند ہوں کہ اگر چاہے تو حجاب ہائے قدرت کو ایک اشارہ میں اس طرح برطرف کریں کہ حوریں جنت کے ایوان میں نظر آویں شجرہائے جنت جلوہ گر دست ہوں اور مرتبۂ الوہیت قدرت ہی کا یقین ہو جس طرح کہ اپنی شہادت کا یقین تھا اگر حسین کو ذرہ برابر بھی وحدانیت الٰہی اور اس کی قدرت میں شک ہوتا تو کربلا کے میدان میں محض ۷۲ کی بے سر و سامان جماعت سے ۳۰ ہزار مسلح و خونخوار فوج کا اس خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کا خیال بھی نہ ہو سکتا تھا مگر اللہ رے سکون قلب کہ برابر کا بھائی بلکہ قمر بنی ہاشم قاسم سا حسین بھتیجا شبیہ رسول سا بیٹا خلقاً و خُلقاً و منطقاً مثال رسول کہ جس پر اشقیا کوفہ و شام کو رسول کا احتمال۔ میدان جنگ میں خود رخصت کریں اور بعد شہادت شکر خدا کریں اور قیامت خیز وہ موقع اور آخری حل مشکلات کہ پھول سا بچہ تین دن کا بھوکا پیاسا اپنے دست مبارک پر تیر کے زخم سے تڑپتا دیکھے اور بارگاہ احدیت میں عرض کرے کہ حسین آج اس آخری امانت سے سبکدوش ہوتا ہے۔ اے پالنے والے۔ اے دریائے رحم و کرم جہاں اس قدر تیرا احسان ہیں منجملہ عاجز پر ہے وہاں دم واپسیں جب خشک گلا زیر خنجر ہو تو تیری یاد سے غافل نہ ہوں۔

کیا کہنا اے شہنشاہ حل مشکلات دنیا کے لئے تو آفتاب وحدانیت ہو کر چمکا۔ تیری منازل معرفت نے تجھے ہر مذہب و ملت کے لئے مرکز کشش قائم کر دیا کہ تا قیام قیامت باقی رہے گا۔ تجھے نہ ۱۳۰۰ سال کا زمانہ بھلا سکتا ہے نہ تیری عظمت و جلالت تک تیرے ان غلاموں کی سالانہ یادگار پہونچ سکتی ہے۔ بیشک تمام عالم کے لئے تو ہی ہمیشہ مشعل ہدایت رہیگا۔ اے شہنشاہ کربلا۔ اے فخر اولیا اپنے عزیزوں سے محبت کرنے والے۔ اے خاتون جنت کے نور دیدہ۔ اے سوار دوش رسول۔ اے صحرائے کربلا کی جلتی ریت پر سونے والے حسین اپنے ستم رسیدہ غلاموں کا ہدیہ سلام قبول فرمائیے

سوانحعمری عون بن علی

عون ابن علی کربلا کے ان شہدا میں ہیں جنکے متعلق اشتباہ ہے کہ وہ کربلا میں تھے یا نہیں اسکو جناب مولانا آغا مہدی صاحب لکھنوی نے حتی الامکان صاف کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مختلف مقامات پر آپ کا پتہ ملتا ہے، موصوف نے تجسس سے انکے حالات بھی درج کئے ہیں زیر نظر رسالہ انشا پردازی کے اعتبار سے بہت عمدہ اور تلاش و جستجو کے لحاظ سے بھی اکثر دقیقہ رسی کا پتہ دیتا ہے۔ قیمت ۱ر پتہ سید ہادی سکریٹری جمعیۃ خدام عزا چوک مسجد تحسین لکھنؤ

اصول و قواعد

یہ وہ حیرت انگیز اور پر از معلومات کتاب ہے جس میں وہ اصول بیان کئے گئے ہیں جو تفسیر قرآن کے لئے عقل و قرآن سے ثابت ہیں قیمت ۲ر محصول ۱ر سید مجلس علی عقب ڈالی گنج لکھنؤ

اصلاحیات

مقصد شہادت

(از عالیجناب شفا احمد صاحب نقوی مکینکل انجینیر ملتان)

مضمون اگرچہ بہت طویل ہے لیکن بعض نفسیاتی مباحث اور اصلاحی نقطۂ نظر کی وجہ سے یہ ایک خلاصۂ روح کا حامل ہے اس لئے اس کو باوجود کافی طول کے درج کیا جاتا ہے (ادارہ)

جناب رب العزت اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

وکتب علی نفسہ الرحمۃ یعنی پروردگار عالم نے اپنے لئے رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ رحمت ایزدی کس صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے لئے پہلے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ انسان کے لئے سب سے بہتر چیز کیا ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو یقیناً یہی کہینگے کہ نجات اخروی یعنی حیات ابدی حاصل ہو جانا ہی بہترین نعمت ہے اور خدا کی رحمت یہی ہے کہ بندوں کو عذاب آخرت سے نجات عطا فرمائے اسی نجات اخروی کے طریقے سکھلانے کے لئے اُسنے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے اور اپنی مخلوق کو حیات ابدی کیطرف بلایا۔

قبل اس کے کہ ہم کچھ آگے بڑھیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ انسان کی گمراہی کے اسباب کیا ہیں۔ دنیا میں ہم جس شخص کو بھی کوئی برا کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اُس کے اسباب اور محرکات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل بنیاد فاعل کی کسی نہ کسی خواہش پر ہے اور کوئی نہ کوئی جذبہ اُس کی تہ میں کارفرما نظر آتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ انسان کو ہلاکت ابدی کیطرف لیجانیوالے اُسکے جذبات و خواہشات ہی ہیں۔ مگر اس پر ایراد یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواہشات و جذبات تمام فطری ہیں اور فطرت کے متعلق ارشاد رب العزت ہے **فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا** (اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اُسنے لوگوں کو خلق فرمایا) لہذا کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی کی بنائی ہوئی فطرت ہی باعث ہلاکت ہو جائے۔ اگر یہ جذبات اور خواہشات گمراہ کرنے والی ہیں تو ہم کو خالق کی طرف سے کیوں عطا ہوئے۔

یہ اعتراض محض غلط فہمی پر مبنی ہے اس لئے کہ یہی خواہشات و جذبات ہیں جو ہر حیوان کو اپنی ذات کی بقاء اور حفاظت اور اپنی نوع کی بقاء اور حفاظت پر بسر کرتے ہیں اور محض خواہشات و جذبات پر ہی تمام عالم کا کام چل رہا ہے مثلاً اگر بھوک نہ ہو اور اُس سے تکلیف نہ پہونچے تو غذا کو مہیا کرنے اور کھانے کی تکلیف محض جسم کو ہلاکت سے بچانے کی غرض سے کون گوارا کریگا۔ اور اگر کسی نے کیا بھی تو اس کا اندازہ کیسے ہوگا کہ اس قدر مقدار غذا کی جسم کی بقاء کیلئے کافی ہے۔ اسی طرح پیاس اگر پیاس نہ ہو تو پانی کی طلب کوئی کیوں کرے اور اگر کوئی حکیم کامل اس نیت سے کہ جسم کی بقاء کے لئے پانی پینا ضروری ہے پانی پیئے بھی تو اُس کی مقدار کا اندازہ کیسے کر سکتا ہے۔ اسیطرح اگر غصہ نہ ہو تو نقصان پہونچانیوالوں سے اپنے آپ کو کس طرح بچا سکتا ہے اور اسی طرح ہر ہر جذبہ اور خواہش کے متعلق غور کرنے سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ تمام خواہشات و جذبات ہم کو اس لئے دئے گئے ہیں کہ ہم حالات لاشعوری میں بھی بقاء و صیانت نفس اور بقاء و صیانت نوع کی کوشش کرتے رہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خواہشات و جذبات ہم کو خالق کی مقصد براری کے لئے دئے گئے ہیں تو یہ ہم کو گمراہ کیوں کرتے ہیں۔

اس کا مجمل جواب یہ ہے کہ جذبات و خواہشات اگر اعتدال پر رہیں تو باعث ہدایت ہیں اور ان کو اعتدال پر رکھنے کے لئے ہم کو عقل عطا فرمائی گئی ہے۔ ان سب پر عقل کو حاکم مقرر فرمایا ہے

تاکہ جذبات کے جوش اور شدت سے وارد ہونے پر ایسے افعال نہ سرزد ہو جائیں جن سے وہ مقصد جسکے لئے یہ جذبات و خواہشات دئے گئے ہیں فوت ہو جائے۔

مثلاً جذبۂ غضب اپنی ذات سے دشمنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے دیا گیا ہے۔ مگر شدت غضب میں اکثر آدمی اپنے ہی ہاتھ دانتوں سے کاٹتے ہیں۔ بچے اکثر غصہ کی شدت میں اپنا منہ پیٹ لیتے ہیں پتھر زمین یا دیوار پر مارتے ہیں۔ اکثر ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ کسی شوہر کو بیوی پر سخت غصہ آیا تو اپنے گھر کے برتن توڑ ڈالے۔ کپڑے جلا ڈالے۔ اکثر مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو بری طرح مارتی ہیں اور جب جوش ٹھنڈا ہوتا ہے تو خود ہی زار زار روتی ہیں۔

بہت سے مقدس جذبات دوسرے جذبات و خواہشات سے مغلوب ہو کر مسخ ہو جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان سے انسان ہدایت و رشد کے راستہ پر گامزن ہو گمراہی اور ضلالت میں گرفتار ہو جاتا ہے

مثلاً جذبہ انانیت۔ بچہ میں یہ جذبہ چالیس دن کی عمر میں رونما ہوتا ہے۔ وہ اپنی ہستی کو سب سے جدا کر کے ایک وجود سمجھنے لگتا ہے اور اس کا احساس ہو جاتا ہے کہ میں بھی ایک ہستی ہوں اب اگر معلوم کرنا چاہیں کہ یہ جذبہ ہم کو کس لئے دیا گیا ہے تو بچہ سے ہی دریافت کر سکتے ہیں اسلئے کہ وہ فطرت اللہ لئے ہوئے اور فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے جیسا کہ حضور سرور کائنات نے خبر دیدی ہے کہ کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے) لہذا اس کی تفصیل بچہ ہی کر سکتا ہے۔ جب کسی تین چار سال کے بچے سے دریافت کریں کہ تو اچھا ہے یا تیرا بھائی کہتا ہے میں اچھا۔ اسی طرح دنیا کی ایک ایک چیز کے متعلق اس سے دریافت کر جائیں تم اچھا ہے یا فلاں شے کہیگا میں اچھا۔ لہذا واضح ہو گیا کہ اس جذبہ کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو بچپن ہی میں یہ سبق پڑھا دیا گیا ہے تو سب سے اچھا ہے اور وہ سب سے اچھا بننے اور رہنے کی کوشش کرے مگر چونکہ اچھا بننے کے لئے تکالیف اٹھانا پڑتی ہے۔ ایثار اور قربانی کرنا پڑتی ہے۔ لہذا آرام طلبی کی خواہش تکالیف اٹھانے سے باز رکھتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بجائے اس کے کہ سب سے اچھا بننے کی کوشش کرے اس کو یہ خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ میں سب سے اچھا سمجھا جاؤں کوئی مجھ کو برا نہ کہے۔ دنیا مجھ کو اچھا سمجھے اور اس کے لئے انسان برے سے برے کام کرنے سے بھی باز نہیں رہتا۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی نہایت قبیح کام کیا اور کسی شخص نے اس کو دیکھ لیا کہ فلاں شخص سے ایسا کام صادر ہوا تو فاعل اپنے جرم کو مخفی رکھنے کے لئے اور افشار راز کے خوف سے دیکھنے والے کے قتل سے بھی دریغ نہ کریگا۔ لہذا معلوم ہو گیا کہ یہ جذبہ مقدس جو ہدایت کے لئے دیا گیا تھا۔ گمراہی اور ہلاکت کا باعث ہو جاتا ہے۔

اب یہ امر تو واضح ہو گیا کہ شدید خواہشات اور جذبات عقل پر غالب آجاتے ہیں اور یہی ہماری گمراہی اور ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے۔ اب ان جذبات و خواہشات کو روکنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے اس کے سمجھنے کے لئے عملی مثالیں تلاش کرنی چاہیئیں۔

مثال نمبر (۱) ایک بچہ موسم گرما میں دھوپ میں دوڑ کر آتا ہے جسکی وجہ سے اس پر پیاس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ فوراً پانی کی طرف دوڑتا ہے اب اس کو کتنا ہی سمجھائیں کہ پانی نہ پیو یہ تم کو نقصان پہونچائے گا۔ مگر وہ کوئی بات سننے اور ماننے کو تیار نہ ہوگا۔ اگر اس سے جھڑک کر کہیں۔ خبردار اگر پانی پیا تو ایسا تھپڑ ماروں گا کہ منہ پھر جائے گا اب جذبۂ خوف اس کی پانی پینے کی خواہش پر غالب آجائے گا۔

مثال نمبر (۲) ایک شخص جس کو بھوک کی شدت ہے۔ بازار میں چلا جا رہا ہے۔ حلوائی کی دوکان پر طرح طرح کی مٹھائیاں رکھی ہیں۔ نانبائی کی دوکان پر روٹیاں موجود ہیں مگر وہ اٹھا کر کھا نہیں سکتا کیونکہ اس کو خوف ہے کہ اگر میں نے ان اشیاء میں سے کچھ اٹھایا تو مار پڑیگی اور بے بھاؤ کی کھانی پڑیگی۔ ان دونوں مثالوں سے یہ امر تو واضح ہو گیا کہ جذبۂ خوف تمام خواہشات اور جذبات پر غالب آجاتا ہے۔

مثال نمبر (۳) اب ایک اور مثال ملاحظہ ہو اگر کسی بچے سے کہا جائے کہ تم روزہ رکھ لو اور دن بھر کچھ کھاؤ نہ پیو تو تم کو چھوٹی موٹر کار لاکر دینگے تو یقین ہے کہ بچہ دن بھر کا فاقہ کر لیگا۔

مثال نمبر (۴) اگر ایک شخص سے کہا جاوے کہ اگر تم سات روز مسلسل فاقہ کر لو تو دو ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد تمہارے

نام پرہیبہ کردین گے۔ وہ یقیناً اس امر کی کوشش کرے گا کہ سات روز کا فاقہ کرسکے۔ ان مثالون سے یہ واضح ہو گیا کہ عیش و آرام اور مرغوب نفس اشیاء کے حصول کا لالچ بھی جذبات اور خواہشات پر غالب آجاتا ہے

فاطر فطرت نے یہی دو ذریعے ہدایت خلق کے مقرر فرمائے اور اپنے انبیاء کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا کہ اطاعت پر نعیم ابدی کی بشارت دین اور نافرمانی پر عذاب آخرت سے ڈرائین حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ ابن مریم تک تمام انبیاء انھین دو جذبات سے کام لیتے تھے۔ سب سے آخر ایسا رسول آیا جس کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہ تھا وہ بھی بشیر و نذیر بن کر آیا۔ اب اگر رسول آخر الزمان کی ہدایت بھی مثل انبیاء سابقین محض بشارت اور انذار ہی پر ختم ہو جاے تو اس کو دیگر انبیاء پر کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔ فضیلت تو تب ہی ہو گی جب اس کی ہدایت کا طریقہ دیگر انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ و ارفع ہو ورنہ کوئی وجہ فضیلت ہو نہین سکتی۔

اب ناظرین غور فرمائین کہ مذکورۂ بالا امثلہ خوف مین خوف کس حد تک خواہشات کو دبانے مین کامیاب ہوتا ہے۔ مثال نمبر (۱) مین اگر بچہ کو ڈرانے والا اسکے سامنے سے ہٹ جائے وہ فوراً پانی پی لے گا۔ مثال نمبر (۲) مین اگر بھوکے کو یقین ہو جائے کہ مجھے کوئی دیکھتا نہین اسی وقت مٹھائی اور روٹیان چرا لیگا۔

اسی طرح لالچ کی مثال ہے کہ بعض مواقع پر لالچ جذبات و خواہشات پر غالب آتا ہے اور بعض پر نہین ہوتا۔ مثال نمبر (۳) مین ممکن ہے کہ بچہ بھوک اور پیاس کی تکلیف زیادہ ہو جانے پر فاقہ شکنی کرلے۔ مثال نمبر (۴) مین ممکن ہے کہ چوتھے دن فاقہ کش جائداد موعودہ سے دست کش ہو کر فاقہ شکنی کرلے اور ان ہر دو مثالوں مین یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ان فاقہ کشوں کو یہ یقین ہو جائے کہ اگر تنہائی مین ہم فاقہ کشی کرلین گے تو کسی کو اس کا علم نہ ہوگا تو یہ ضرور کچھ کھا پی کر اپنی تکلیف کو کم کرلین گے۔

ہان اگر کسی شیر خوار بچہ کی مان سے طبیعت کہہ دے کہ تم کو تین دن فاقہ کرنا لازمی ہے ورنہ تمھارا بچہ مر جائیگا تو کیا وہ دوسرون کی غیر موجودگی مین اور تنہائی مین بھی فاقہ شکنی کرے گی۔ نہین نہین ہرگز نہین۔ یہ کیا ہے۔

محبّت محبّت ایسا جذبہ ہے جو غیبت و شہود ہر زمانہ مین محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے اور محبوب کے رنگ مین رنگے جانے کی ترغیب دلاتا ہے۔ ایک حبیب اپنے محبوب کے انتظار مین سخت سے سخت دھوپ مین دن بھر کھڑا رہ سکتا ہے سخت برف باری مین کھڑا ہو کر رات گذار سکتا ہے۔ محبت ہی وہ جذبہ ہے جس پر کوئی دوسرا جذبہ کوئی خواہش غالب نہین آسکتی لہذا خاتم النبیین۔ اشرف الانبیاء والمرسلین آیا تو جذبۂ محبّت سے ہدایت کرتا ہوا آیا۔ بشارت و انذار مثل انبیاء سابقین کے لایا اسکے علاوہ محبت مانگتا آیا اور مخلوق کو سنا دیا جو اللہ سے محبت کرے وہ مومن ہے۔ والذین امنوا اشد حبًّا للہ (اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہین اللہ کی محبّت مین بڑے سخت ہین اور سنایا ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون ٥ (ترجمہ۔ جو اللہ اور اس کے رسول سے اور ایمان والون سے محبت رکھے پس گروہ خدا ہی غالب ہونیوالا ہے) اور اس سے صاف بتلا دیا کہ گروہ خدا مین وہی شخص داخل ہو سکتا ہے جو اللہ و رسول اور ایمان والون سے محبّت کرے۔ اس آیہ مین اللہ اور رسول تو واضح ہین مگر ایمان والون کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون ہین لہذا والذین امنوا کی تفسیر آیہ مودۃ مین بیان کردی گئی اور حکم ہو گیا قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (کہدو اے حبیب مین تم سے اجر رسالت کچھ نہین مانگتا سوائے اس کے کہ میرے قریب ترین عزیزون سے محبت کرو)۔

دشمنان ایمان نے قربیٰ کے معنیٰ مین چہ میگوئیان شروع کردین۔ مگر قرآن کا معجزہ ہے کہ دشمن کا منھ توڑ دیتا ہے۔ قربیٰ صیغہ ہے اسم تفضیل کا جس کے معنی ہین سب سے زیادہ نزدیک ہونے والی (جماعت)۔ اب اگر کہین کہ اس سے مراد تمام قریش تو غلط اس لئے کہ قریش کو تو حکم ہی ہو رہا ہے اور پھر قریش سب سے زیادہ نزدیک کب ہوئے۔ اگر کہین تمام بنی ہاشم تب بھی غلط

بنی ہاشم بھی سب سے زیادہ قریب کیسے ہوئے۔ سب سے زیادہ قریب تو دواسۓ علی۔ فاطمہ۔ حسن اور حسین اور کوئی ہو ہی نہین سکتا۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو کنایۃً پیش کر دیا گیا۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ رسول آخرالزمان خدا کی۔ اپنی اپنی اولاد کی محبت مانگتا ہوا آیا۔ یہ کہتا ہوا آیا کہ اللہ سے محبت کرو رسول اللہ سے محبت کرو اور رسول کی اولاد سے محبت کرو تب مومن ہو سکتے ہو۔

مگر حضرات کیا محبت اس کہنے سے کہ محبت کرو ہو سکتی ہے اگر کوئی ہم سے کہے کہ مجھ سے محبت کرو تو کیا ہم محبت کرنے لگین گے محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے۔ مان باپ اولاد سے محبت کرتے ہین بلکہ ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے ہم اپنے دشمنوں سے محبت کرتے نہین ہین بلکہ یکجائی سے محبت ہو جاتی ہے پھر حضور سرور دو عالم کے صرف کہہ دینے سے اور حکم دینے سے ہم کس طرح محبت کر سکتے ہین۔ اگر رسول آخرالزمان نے صرف کہا ہی ہوتا اور ایسے ذرائع نہ اختیار کئے ہوتے جن سے رسول اور اولاد رسول محبت پیدا ہو جائے تو ہدایت ناقص رہتی

محبت کیسے پیدا ہوتی ہے

محبت کے پیدا ہونے کے چند مخصوص ذرائع حسب ذیل ہین۔

نمبر (۱) **بقاء نفس سے تعلق**۔ ہر نفس کو اپنے اسباب بقا سے محبت ہوتی ہے اور چونکہ فنا لازمی ہے لہذا نفس اپنے نشانات کی بقا کا موت کے بعد بھی متمنی ہے جو اولاد ہی کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے لہذا ہر نفس کو اپنا تخم۔ اپنی اولاد محبوب ہوتی ہے اسی طرح مان باپ بچہ کے باعث وجود و بقاء و صیانت ہین لہذا بچہ کو مان سے محبت ہوتی ہے۔ جون جون بچہ کا سن زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر انکی احتیاج اسکو کم ہوتی جاتی ہے اور اسی قدر محبت کا جوش کم ہوتا جاتا ہے۔

نمبر (۲) **شرکت خون و شرکت رحم**۔ مان باپ اور اولاد کی محبت کا ایک سبب یہ بھی ہے اور بہن بھائی عزیز و اقارب کی محبت کا یہی سبب ہے

نمبر (۳) تمام ان چیزوں سے جو تسکین خواہشات و جذبات کا باعث پائی جاتی ہیں اسطرح سبب ہونا محبت ہو سکتی ہے۔ جیسے شوہر و زوجہ کی محبت۔ بچہ کی پستان مادر سے محبت وغیرہ وغیرہ

نمبر (۴) **خیالات و خواہشات کا یکسان ہونا**۔ اگر دو شخصون کے خیالات یکسان ہونگے۔ ان مین جس وقت وہ ایک دوسرے سے ملین گے پہلے انس پھر محبت ہو جائے گی۔ اسی لئے رسم و رواج کا یکسان ہونا۔ لباس کا یکسان ہونا۔ طرز معاشرت کا یکسان ہونا ہم مذہب ہونا۔ ہم مذاق ہونا مورث محبت ہوتے ہین

نمبر (۵) **صحبت طویل**۔ ایک جگہ ایک ساتھ رہنے سہنے سے پہلے انس پھر محبت ہو جاتی ہے۔ اکثر یہی ہے کہ زیادہ عرصہ ساتھ رہنا باعث محبت ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام اسباب مین سے کوئی سبب ایسا نہین ہے جس سے ہم کو ایسے یا اُن کی اولاد سے محبت ہو سکے جو ہمارے سامنے موجود نہین ہین لہذا اور سبب بھی تلاش کرنے ضروری ہین۔

نمبر (۶) محبت پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ لوگون کے دلوں کو مظلوم بن کر اپنی طرف متوجہ کیا جائے۔ جذبات فطری مین سے ایک جذبہ ہمدردی بھی ہے جو حیوانات مین بھی پایا جاتا ہے۔ انسان کا تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی جانور تکلیف مین مبتلا ہوا ور وہ اس کا حال دیکھ لے یا سُن لے تو اس کا دل اُس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اگر کسی ہمجنس کو تکلیف و مصیبت مین دیکھتا ہے تو ہر طرح اُس کی مدد کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اگر ایک شخص دوسرے پر ظلم ہوتا دیکھے یا سُنے تو اس کا دل اُس مظلوم کی جانب کھنچتا ہے۔ پھر اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ بے قصور ہے تب تو اور بھی زیادہ کشش ہوگی۔ اور اُس سے گونہ محبت پیدا ہو جائے گی اور اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ ہمارا ہموطن یا ہم مذہب ہے تب تو اور بھی زیادہ محبوب ہو جائیگا

نمبر (۷) دنیا کے قلوب کو مسخر کرنے کا سب سے بہتر ذریعہ ایثار و قربانی ہے اگر کوئی شخص ہمارے لئے ایثار کرے ہمارے واسطے تکالیف اٹھائے۔ مصائب برداشت کرے تو خواہ وہ ہمارا ملازم

خواہ وہ ہو یا نہ ہو جز بہ غلامی کمو نہ ہو ہم کو اس سے محبت پیدا ہوجائے گی۔ یا اگر کوئی غیر متعلق شخص جس کو ہم سے کوئی معاوضہ کی امید بھی نہ ہو ہمارے لئے ایثار کرے تب تو ہم اس کے غلام بن جائینگے۔ خواہ وہ ہمارے سامنے موجود ہو یا نہ ہو۔ مثلاً فرض کریں کہ ہمارے مکان پر قزاق حملہ آور ہوں اور ایک اجنبی شخص محض انسانی ہمدردی کی وجہ سے مع اپنے اعزہ واقربا یا فرزندان وملازمین ہمارے مکان کی حفاظت کے لئے آجائے اور قزاقوں سے مقابلہ کرے اور اس مقابلہ مین اُس کے فرزند واعزہ قتل ہوجائیں تو خواہ وہ ہمارے مکان کو محفوظ رکھنے مین کامیاب ہو یا نہ ہو ہم تو اُس کے بے درم غلام ہوجائینگے۔ یا اگر وہ بھی کام آگیا ہو تو اُس کے پسماندون کے اور اس کے ورثا کی ہر ضرورت اور ہر خواہش پر ہم اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوجائینگے اُنکی ہر ضرورت اور ہر خواہش کو اپنی ہر ضرورت اور ہر خواہش پر ترجیح دینے لگینگے۔ کیا ان لوگون کی اولاد جو اس واقعہ مین قتل ہوجائین ہم کو اپنی اولاد سے زیادہ پیاری نہ ہوگی اور بیان تو ذکر ہی کیا ہے ہر کس و ناکس جو اس واقعہ ایثار و قربانی کا تذکرہ سنیگا اُن لوگون سے ہمدردی کرنے لگے گا اور اُن کی عزت و وقعت اس کے دل مین پیدا ہوجائے گی اور کچھ محبت بھی ضرور پیدا ہوجائے گی۔

یہی دو طریقے جو اصل مین قریب قریب ایک ہی ہین رسول آخرالزمان اور اُس کی اولاد طاہرین نے ہمارے قلوب مین اپنی محبت پیدا کرنے کے لئے اختیار کئے۔ دنیا کے ہر فرد کی ہمدردی حاصل کرنے اور اُنکے قلوب کو نرم اور متاثر کر کے خدا کی طرف کھینچنے کے لئے مصائب وآلام کی زندگی اختیار کی اور مصیبتون اور تکلیفون کے پہاڑ سر پر اٹھا لئے اور ہم کو نفس امارہ اور شیاطین کے حملون سے جو ہمارے متاع ایمان پر دن رات ڈاکہ ڈالتے ہین اور ہمارے خانہ آخرت کی تباہی اور بربادی اور غارتگری کے لئے خواہشات وجذبات کا لشکر لئے ہوئے ہم کو گھیرے ہوئے ہین محفوظ کرنے کے لئے اپنا گھر بار۔ کنبہ قبیلہ۔ جوان بوڑھے۔ شیرخوار بچے قربان کردیے۔ لڑکیون نے کانون کے بندے۔ ہاتھون کے کڑے۔ عورتون نے زیور اسباب حتی کہ سرون کی چادرین تک قربان کردین اب کون کہہ سکتا ہے کہ رسول آخرالزمان کی ہدایت کامل نہ ہوئی اس سے بہتر اور کونسا طریقہ ہدایت کا ہوسکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ پھر کسی نبی یا رسول کے آنے کی ضرورت باقی نہ رہی اور نبوت ختم ہوگئی۔ اسی لئے تو حضور خاتم النبیین نے رحمۃ للعالمین کا خطاب پایا اور تمام انبیاء و مرسلین سے اشرف اور افضل ٹھہرے

اب قابل غور امر یہ ہے کہ جو کام بھی عوام کے قلوب کو سخت کرے اور شقاوت پیدا کرے وہ ذبح عظیم کے مقصد کو نقصان پہونچانے والا اسکے اثر کو باطل کرنے والا ہوگا یا اُس کی اعانت کرنے والا ہم کو چاہیئے کہ اُسکو ہر وقت یاد رکھین اور اپنے ہر عمل کو اسی کسوٹی پر پرکھ لیا کرین۔

اچھا آئیے اب غور کرین کیا امام حسین علیہ السلام اپنے مقصد مین کامیاب ہوگئے۔ یہ تو ثابت ہے کہ ذبح عظیم کا مقصد ہمارے دلون مین آل رسول کی محبت پیدا کرتا ہے۔ آئیے اب اس پر غور کرین اور اپنے نفوس سے محاسبہ کرین کہ آیا ہم کو محبت اہلبیت پیدا ہوگئی یا نہین؟ نفس تو کہتا ہے کہ ہان محبت پیدا ہوگئی۔ ہم تو محبان اہلبیت ہین جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم ہر سال عزائے حسین برپا کرتے ہین۔ ہم اہلبیت علیہم السلام کے حزن سے محزون اور خوشی سے مسرور ہوتے ہین اور عشرۂ محرم مین اپنی گاڑھی کمائی مین سے کافی رقم یادگار حسین پر صرف کرتے ہین۔ یہ اس کا ناقابل رد ثبوت ہے کہ ہم کو آل رسول سے محبت ہے۔

عقل کہتی ہے کہ یہ دھوکا ہے اور سراب ہے۔ ہم کو تو اہلبیت کی محبت سے دور کا بھی واسطہ نہین جس کو ہم حب اہلبیت سمجھے ہوئے ہین وہ تو ایک جذبۂ سفلی ہے نہ کہ محبت جس کا ثبوت حسب ذیل ہے۔

ہر نفس کو اپنی ذات سے اسباب بقا۔ اپنے اسباب تسکین جذبات سے محبت ہوتی ہے اور اپنی ذات تو ہر حیوان کو پیاری ہوتی ہے۔ آدمی کی تو یہ حالت ہے کہ ہر وہ چیز جو اُس کی ذات سے متعلق ہو اور اُس کی ذات کی طرف منسوب ہوجائے محبوب ہوتی ہے۔ مثلاً میرا گھر۔ میرا وطن۔ میری قوم میرا کنبہ۔ میرا قبیلہ وغیرہ وغیرہ سب محبوب ہوتے ہین اور اسی کے ماتحت میرا مذہب بھی ہے وہ تمام رسم ورواج خیالات وعقائد جو بچپن سے ذہن نشین ہوجاتے ہین اور بیحد محبوب ہوتے ہین۔

مذہب کی محبت سفلی کے دو خاص سبب ہین۔ ایک تو انانیت سے

اس کی نسبت یعنی میرا مذہب ہونا۔ دوسرے اضطراب مین سبب تسکین ہونا دنیا مین کوئی شخص خواہ بادشاہ ہو یا گدا۔ غنی ہو یا فقیر۔ عالم ہو یا جاہل۔ جوان ہو یا ضعیف ایسا نہین ہو سکتا کہ تکلیف و مصیبت مین مبتلا نہ ہو جس سے نفس پر کیفیت اضطراری پیدا ہوتی ہے۔ تکلیف جسمانی مثلاً مرض کی حالت مین یا اور کسی دنیاوی پریشانی مین جو تکلیف نفس کو پہنچتی ہے اسکا واحد علاج یکسوئی اور امید فلاح ہے جو کوئی غیر مرئی یا مافوق الفطرت طاقت کے وجود کا عقیدہ رکھنے سے اور اس کی طرف توجہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور مذہب چونکہ اس جذبہ کا باعث ہوتا ہے لہذا تمام چیزون سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس مین عیسائی۔ یہودی۔ ستارہ پرست۔ آریہ۔ ہندو۔ سکھ۔ مسلمان سنی شیعہ سب برابر ہین۔ ایک ہندو پیپل کی درخت کی ایک شاخ کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر فرقہ اور گروہ کا حال ہے تو کیا یہی محبت وہ جذبہ مقدس ہے جس کو ہم سے مانگا گیا ہے۔ نہین ہرگز نہین یہ تو ایک جذبہ سفلی ہے اس لئے کہ مذہب اور پیشوایان مذہب کی ایسی سفلی محبت [illegible] پر ذکر ہوا ہر شخص کو ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری نہین کہ اس مین حقیقت بھی ہو۔ وہ پیشوایان مذہب خواہ فرضی اسمار ہی ہون جن کو ہمارے آبار نے مسمیٰ بنا لیا ہو۔

ایک موضع مین جو نواح لکھنؤ مین واقع تھا ایک برہمن نمبردار تھا اور ریاست کی طرف سے جو صاحب تحصیلدار تھے مذہب اثنا عشری رکھتے تھے ایک روز اُس برہمن نے تحصیلدار صاحب سے بیان کیا کہ مین لکھنؤ گیا تو عجیب ماجرا دیکھا کہ بہت سے آدمی ایک جگہ جمع ہین اور فرش پر بیٹھے ہین۔ ایک شخص کرسی پر بیٹھا چلا رہا ہے اور سب رو رہے ہین۔ مین نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ گائے بچہ جنے اور بیل پر تکلیف ہو۔ تحصیلدار صاحب فرمایا کہ رام چندر جی کے بن باس کا حال تو آپنے سنا ہے۔ پنڈت جی نے کہا کہ ہان تحصیلدار صاحب نے کچھ حالات رام چندر جی کے اپنی مان اور باپ سے رخصت ہونے کے سنائے وہ بوڑھا برہمن زار زار رونے لگا۔ تحصیلدار صاحب نے فرمایا جس طرح تم اس کو سُن کر رونے لگے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اپنے محبوب پیشوائے مذہب کے حالات پر رو رہے تھے

اب غور کرین کہ بعض یوروپین مورخین نے تو رامائن کو ایک فرضی قصہ تسلیم کیا ہے۔ مجھے اس سے تو بحث کرنے کی ضرورت ہی نہین کہ آیا رامائن اور رام چندر جی کا وجود فرضی ہے یا حقیقی۔ سوال تو یہ ہے کہ اس کو سچا ماننے والون کے لئے اگر یہ قصہ فرضی بھی ہو تو بھی اسی طرح موثر ہے جیسا کہ اس حالت مین ہوتا جبکہ اس مین حقیقت ہوتی۔

اسی طرح ہم کو بھی آل رسول سے سفلی محبت ہے جس کا اظہار عشرۂ محرم مین ہوتا رہتا ہے۔ اس کا پہلا سبب تو رسم و رواج کی محبت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ مذہب شیعہ کا قریب قریب ہر فرد جس کو رواسم محرم مین شوق ہوتا ہے اپنے وطن کا محرم پسند کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اپنے وطن ہی مین عشرہ گذارے ورنہ اس کو کچھ لطف حاصل نہین ہوتا۔ کیا یہ رسم و رواج کی محبت نہین ہے۔ اور دوسرا سبب "میرے مذہب" کی محبت کا جذبہ سفلی ہے۔

نفس کہتا ہے کہ ہم مصائب اہلبیت پر گریہ و زاری کرتے ہین۔ بھلا رونا بغیر محبت کیسے آسکتا ہے۔ عقل کہتی ہے یہ بھی دھوکا ہے اس لئے کہ بچے کی فطرت ہے کہ جب وہ کھیلتا رہتا ہے اور کچھ دیر ہنستا ہے تو پھر ایسے کام کرنے لگتا ہے جس کو کوئی روکے اور منع کرے تاکہ وہ روئے۔ اس کے نفس مین رونے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے اور پھر وہ روتا ہے۔ جب خوب رو لیتا ہے تب اس کو سکون ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ رونا مفرح قلب ہے اور رونے کے بعد ایک خاص سرور نفس مین پیدا ہوتا ہے۔ بچے مین اس سرور کے حصول کے لئے رونے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمارے نفوس مین بھی رونے کی خواہش پیدا ہوتی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ غیر مذاہب کے لوگ مثلاً اہل ہنود جو چند مرتبہ مجالس مین شریک ہو کر رو لیتے ہین انکو بھی شرکت مجالس کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ ہمارے محبوب مذہب کے رسم و رواج مین داخل ہے لہذا ہمارے لئے تو بہت ہی زیادہ محبوب ہے۔ اگر کہین سنتے ہین کہ فلان [illegible] صاحب بیان فرمائین گے۔ بہت کم لوگ رجوع کرتے ہین اور اگر کوئی ماہر ذاکر خوب رُلانے والا جو اس قدر رلاتا ہو کہ لوگ روتے روتے بے حال ہو جاتے ہون کہین بیان کرنیوالا ہو تو ہزارون آدمی اس کے سننے کے لئے جمع

ہو جائین گے۔

نفس کہتا ہے کہ مین ان دلائل کو سننے اور ماننے کے لئے تیار نہین ہون ہم تو محبّ اہل بیت ہین۔ ہم کو آل رسول سے بیحد محبت ہے۔ ہم اُن کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہین۔

عقل کہتی ہے کہ تم غور نہین کرتے ایک جاہل مسلمان جو کچھ پڑھنا بھی نہین جانتا رسول کے نام پر قربان ہونے کو تیار رہتا ہے۔ اسلام پر فدا ہو جانے کو فخر سمجھتا ہے۔ حالانکہ مذہب کے متعلق وہ یہ بھی نہین جانتا کہ وہ ہے کیا۔ کیا یہ محض رسم و رواج اور میرے مذہب کی محبت نہین ہے اگر مذہب سے حقیقی محبت ہوتی تو کیا وہ مذہب سے واقفیت حاصل نہ کرتا اور کیا اس کے احکام پر عمل نہ ہوتا۔ محبت کا دعوی تو اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب مدعیان محبت مین علامات محبت بھی پائی جائین۔

چند مخصوص علامات محبت ذیل مین بیان کی جاتی ہین۔ انکو دیکھنے کے بعد نفس امارہ سے خود ہی محاسبہ کر لینا چاہئے قبل اسکے کہ عادل روز جزا کے سامنے محاسبہ کے لئے کھڑا ہونا پڑے۔

(۱) محبوب کی نشانیون سے محبت۔

جب کسی عورت کا چھوٹا بچہ مرجاتا ہے تو وہ اس کے کپڑے۔ اس کے جوتے۔ اس کی ٹوپی محفوظ رکھتی ہے اور انکو دیکھ دیکھ کر رویا کرتی ہے۔ ایک واقعہ ہے کہ ایک ضعیفہ نے ایک جوان کو دیکھا۔ دیکھتے ہی اس کے دل مین محبت کا جوش پیدا ہوا اُس کے گھر پر روزانہ جاتی تھی اور اُس کی خدمت کرتی تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جوان اس کے ایک متوفی فرزند سے مشابہ تھا۔ اسی طرح اگر صرف آواز یا رفتار یا اور کوئی حرکت کسی شخص کی ہمارے محبوب سے مشابہ ہو تو اس سے بھی محبت پیدا ہو جائے گی۔ محبوب کی اولاد اگر وہ اخلاق و عادات مین شکل و شباہت مین۔ رفتار و گفتار مین۔ محبوب سے مشابہ نہیں ہو تو بھی پیاری ہوتی ہے چہ جائے کہ اس حالت مین جبکہ محبوب کی اولاد تمام اخلاق و عادات مین ہم شبیہ محبوب ہو۔

عام مسلمانون کے خلاف ہم یہ محبت قائم کرتے ہین کہ چونکہ اُن کو اولاد رسول سے محبت نہین۔ اس لئے رسول کی محبت سے اُن کو دور کا واسطہ نہین۔ حالانکہ رسول کا نام سُن کر اُن کی تکلیف مین بھی رونے لگتے ہین اور رسول کے نام پر جان تک قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہین۔ وہی محبّت اپنے نفس پر ہم پیش نہین کرتے کہ اگر حسین سے محبت ہوتی تو حسین کا وارث۔ اس کا فرزند۔ اسکے اخلاق و علم و حکمت کا وارث جو زمانے مین موجود ہے ہم کو کیون محبوب نہ ہوتا۔ کیا ہم کو اس کی یاد آتی ہے۔ کیا اس کا فراق ہم کو ستاتا ہے۔ سچ بتلانا دن مین کئی مرتبہ اس کی یاد دل مین چٹکیان لیتی ہین۔ اگر ایسا نہین تو دعوائے محبت جھوٹا ہے۔

نمبر (۲) محبوب کے رنگ مین رنگے جانے کی خواہش۔

ایک صاحب ثروت معظمہ کے جن کی تمام عمر نرم گدّون پر آرام کرتے گذری تھی ایک صاحب وجاہت اور عالم فرزند تھے جو مذہبی معاملات پر بلوہ ہو جانے پر مقدمہ مین ماخوذ ہو گئے۔ جب سے وہ حوالات مین گئے اُن کی والدہ ماجدہ نے چارپائی پر سونا ترک کر دیا جبتک وہ مقدمہ سے بری ہو کر واپس نہ آگئے وہ زمین ہی پر سوتی رہین۔

تمام ہندوستان مین مسلمان ترکی ٹوپی ترکی کوٹ پہننا اپنا فخر سمجھتے تھے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت محبوب کے رنگ مین رنگا جانے پر مجبور کرتی ہے۔ کھانا۔ پینا۔ رہنا۔ سہنا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ غرضیکہ ہر حرکت و سکون کے لئے یہی خواہش ہوتی ہے کہ محبوب کی نقل ہو اور اگر ایسا نہین تو دعوائے محبت جھوٹا ہے اور نفس کا دھوکا ہے۔ اب غور کرنے کی بات ہے کہ ہم کو اہلبیت سے دعوائے محبت ہے۔ ہمارا کھانا۔ پینا۔ ہماری رہائش کے سامان۔ ہمارا طرز زندگی اہلبیت کی معاشرت سے مشابہ ہے یا بنی امیہ کی۔

(۳) محبوب کے حزن سے محزون ہونا۔ اسکی مصیبت سے مغموم ہونا۔

اگر کسی کا ایک جوان فرزند مرجاتا ہے تو زندگانی دنیا بے لطف ہو جاتی ہے۔ کسی امر کی طرف وہ انہماک و ولولہ اور

جوش باقی نہین رہتا۔ اور اگر کسی خاندان کے اکثر افراد امراض وبائی یا اور کسی سبب سے فوت ہو جاتے ہین تو پسماندگان کی دنیا بھی بدل جاتی ہے تمام امور دنیا مین دیگر اہل دنیا کی طرح مصروف تو ضرور رہتے ہین۔ مگر خواہشات وجذبات کا ولولہ اور جوش بالکل باقی نہین رہتا مغموم ومحزون ہونے کی یہی علامت ہے۔

افسوس کہ سیدہ حلیم کا بھرا گھر دو پہر مین تباہ ہو جائے اور ہمارے قلوب محزون نہ ہون اور غم کا اثر قبول نہ کرین۔ رسول کی نواسیان سر برہنہ ہو جائین اور ہماری عورتین ریشمین لباسون سے زینت کرین۔ فرزند رسول بے گور وکفن خاک وخون مین آغشتہ ریگ گرم پر پڑا رہے اور ہمین لباس فاخرہ کی خواہش ہو۔ وائے برآین محبت۔

نمبر (۴) محبوب کو نقصان پہونچانے والے اسباب سے نفرت۔

ایک واقعہ ہے کہ ایک بچہ امرود کھا کر ہیضہ مین مبتلا ہو گیا اور فوت ہو گیا۔ اس کی والدہ کا حال یہ تھا کہ تا عمر جب امرود دیکھتی تھی روتی تھی اور کبھی اپنے گھر مین امرود نہ منگاتی تھی۔ اسی طرح دیکھا گیا ہے کہ جب کسی بچہ کو کسی خاص کھیل یا کام سے ایسا نقصان پہونچ جاتا ہے کہ موت واقع ہو جائے تو اس کی مان اس کھیل یا کام سے نفرت کرنے لگتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کا مقتضا یہ ہے کہ جو اسباب باعث مضرت محبوب ہوئے ہین اُن سے بھی نفرت ہو جائے۔ مثلاً یزید کی چھڑی سے لبہائے مبارک سر بریدہ حسینی کو اذیت پہونچی تھی تو محبان آل یزید کی چھڑی سے نفرت کرتے ہین۔

مگر کیا حب جاہ۔ نام ونمود کی عزت وشہرت کی خواہش۔ مال دنیا کی محبت۔ حکومت کا خوف۔ خوف غیر اللہ۔ یہی وہ اسباب ہین جنھون نے لوگون کے دلون مین جگہ پا کر اُن کے نفوس کو مغلوب کر کے دشمنی اہلبیت پر برانگیختہ کیا اور نتیجہ مین تباہی وبربادی خاندان رسالت ظہور مین آئی ہان ہم بھی مدعی محبت ہین کیا ہم کو آل رسول کی تباہی کے اسباب سے نفرت ہے اگر نہین تو ہمارا دعوائے محبت جھوٹا ہے۔

نمبر (۵) محبوب کی یاد اور وصال کی خواہش۔

بچہ کو دیکھئے کہ تین چار سال کے بچہ کو باپ کے پاس بیٹھنے ہر وقت اُس کے پاس رہنے کی خواہش ہوتی ہے اور اگر باپ اس سے جدا ہو جائے تو بچہ ہر وقت اُس کی یاد مین روتا رہتا ہے۔ کھانا پینا کھیلنا کسی کام مین بھی اُس کو لطف نہین آتا۔ ہم بھی آل رسول سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہین اور آل رسول کا ایک فرد جو بقیہ آل ہے اور اُنکی واحد نشانی ہے۔ موجود ہے۔ اور ہم سے غائب ہے کیا اُس کا فراق ہم کو رُلاتا ہے۔ کیا ہمارے دل مین اُس کی یاد نشتر چبھوتی ہے۔ کیا اُس کے فراق مین ہم کو امور دنیا بھلے معلوم نہین ہوتے اگر ایسا نہین ہے تو دعوائے محبت غلط ہے اور ہم کو محض میرے مذہب کی محبت نے جو ایک جذبہ سفلی ہے دھوکے مین ڈال رکھا ہے۔ محبت اہلبیت تو نعمت رب العزت ہے اور نور ہے جو قلب کو منور کر دیتا ہے یہ نعمت تو انھین کو عطا ہوتی ہے جن کو اس کے لینے کی خواہش ہو اور درگاہ رب العزت سے گڑگڑا کر طلب کرین۔ محبت اہلبیت کی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ موت کی آرزو پیدا ہو جائے۔ خدا ہم کو بھی یہ نعمت عطا فرمائے اور ہمارے قلوب کو نور محبت آل رسول سے منور کر دے۔ آمین۔ ثم آمین

ایک ہندو اہل دل کے آنسو

جناب لالہ شدھ ناتھ علی صاحب فراقی رئیس دریاباد

رباعیان

جو وقت گلوئے شہ پہ خنجر رکھا ... برچھی کی انی کو آہ لب پر رکھا
دل تھام لیا نبی نے اور زہرا نے ... چھاتی پہ ید اللہ نے پتھر رکھا

شبیر پہ ہو مصیبت ہے آج ... بیدرد کو دشمنی نہایت ہے آج
ہوتے ہیں جدا جگر کے جو پارے تھے ... لٹتی ہے شہ دو جہان کی دولت ہے آج

صابر نہ حسین سا زمانا ہوگا ... ہلتے ہی لوگ یہ زمانہ ہوگا
ڈھونڈے نہ لیگی کربلا کی تمثال ... خط یہ بہشت کو روانہ ہوگا

حضرت زینب بنت علیؑ کے کارنامے

(از جناب مولانا وجیہ الحسن صاحب باروی سابق مدیر الواعظ لکھنؤ)

دنیا کی تاریخ میں عورتوں کے کارناموں کا جہاں تذکرہ کیا گیا ہے ان میں جناب زینب بنت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی شخصیت کو ایک ایسی نمایاں حیثیت حاصل ہے جسکی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ابتدائے عمر سے آخر وقت تک آپ کی نوعیت تمام دنیا کی عورتوں سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ جو خصوصیات آپ کو حاصل ہیں ممکن ہے کہ وہ آپ سے سابق میں بھی کسی کو حاصل ہو چکی ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ جتنے کارنامے آپ سے ظہور میں آئے وہ کسی اور سے نہیں ظاہر ہوئے خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ زمانہ کے انقلابات نے یہ خصوصیات آپ ہی کے بارے نام کر دیئے ہیں۔ یا دوسروں میں ایسے عظیم الشان کارناموں کی انجام دہی کی صلاحیت ہی نہ تھی لیکن میرا خیال یہی ہے کہ چونکہ آپ کا ماحول جناب سرور کائنات سے شروع ہو کر جناب امام حسینؑ تک ختم ہوتا ہے اور تاریخ کا یہ زمانہ گوناگوں مصیبتوں پر چونکہ مشتمل تھا اس لئے نفسی اصول کے ماتحت ایک شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جناب زینبؑ ان خصوصیات کی جو آپ میں پائی گئیں انتہائی مرتبہ پر صالح تھیں حد یہ ہے کہ انبیاء سابقین کو بھی ان کے مقابلہ میں پیش کرتے ہوئے واقعاتی حیثیت سے ایک شخص کو تامل ہوتا ہے اور وہ کوئی واقعہ ایسا نہیں پاتا جو مقابلہ میں لایا جائے

جو لوگ واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرؑا اور علیؑ ابن ابیطالب جس کے ماں باپ ہوں جنکی زندگی کا زیادہ حصہ کشمکشوں اور انقلابوں کی نذر ہو گیا اور جن کے بھائی حسنؑ و حسینؑ جیسے پروردہ آغوش رسول ہوں وہ اضطراب انگیز اور پُر آشوب وقت میں استقلال کا کتنا عظیم الشان پہاڑ ہو کے نمایاں ہوگا جس نے عمر بھر حق پرستی اور حق جوئی کا لمحہ بہ لمحہ درس دیا ہو وہ کیونکر جادہ حق سے دستکش ہو سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بشریت کی عام خصوصیات یہی ہیں کہ انسان خطروں میں ثابت قدم نہ رہ سکے لیکن جس نے ان عام خصوصیات کے ساتھ روحانی تقویت کے درس بھی حاصل کئے ہوں اسے دنیا کی کوئی طاقت مضطرب نہیں

درد بھری کہانیاں

جناب آرزو انبالوی تلمیذ جناب شاد انبالوی

یاد ہیں اے فلک تجھے درد بھری کہانیاں
سبط نبی کی خنجر ظلم سے میہمانیاں

یاد ہے ارض کربلا کس نے کٹا دیا گلا
کس نے دلائیں دین کو نانا کے کامرانیاں

تھا یہ کسی میں حوصلہ ابن حسنؑ کے سوا
کی ہیں کسی مریض نے کانٹوں پہ پاسبانیاں

نصرت دین کے واسطے یاد ہیں کن کے خوابیے
خاک میں کن کی مل گئیں اٹھتی ہوئی جوانیاں

نام دلشان نہ مٹ سکا مٹ گئے گو وہ باوفا
لاکھوں دلوں پہ آج بھی ان کی ہیں حکمرانیاں

بنا سکتی۔ چونکہ جناب زینب اس سے کہیں بالاتر تھیں کہ انھیں کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی دنیا کی مضطرب کرسکے بلکہ اضطراب کے بجائے آپ میں استقلال کی وہ خوشنمائیاں موجود ہیں جن پر عالم انسانیت کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ علاوہ اسکے کہ آپ نے اپنے فرزندوں کو نہایت خندہ پیشانی سے اسلام پر قربان کیا آپ نے اس بھائی کے جس پر دنیا کی ہر چیز کو بیچ دینے کو تیار رہتی تھیں حق کی خاطر قربان ہوجانے پر اشک غم نہ بہایا۔ آپ نے ایک موقع پر وہ کام کیا ہے جو امام زین العابدینؑ کی تسکین قلب کا ایک ذریعہ بن گیا۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے جس وقت دیکھا کہ اصحاب وانصار حسینؑ خاک وخون میں غلطاں پڑے ہوئے ہیں اور عورتوں کو مقید کرکے کوفہ لیجانا چاہتے ہیں تو حضرت فرماتے ہیں کہ میرا کلیجہ کھنچنے لگا اور سینہ تنگی کرنے لگا قریب تھا کہ میری روح قفس عنصری سے پرواز کرجائے دفعتہً میری حالت میری پھوپھی جناب زینب نے دیکھ لی اس وقت آپ نے فرمایا۔ ہا نہیں بیٹا تم کیوں اپنی جان دیئے دیتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میری یہ حالت کیونکر نہ ہو کہ میں اپنے پدر بزرگوار اور بھائی بھتیجوں اور اعزا اور انصار کو خاک وخون میں غلطیدہ دیکھ رہا ہوں کہ اس جنگ میں ان کی لاشیں عریاں پڑی ہوئی ہیں کوئی ان کا دفن کرنے والا نہیں ہے گویا یہ کفار ترک و دیلم ہیں؟

اس کے جواب میں جناب زینب نے جو کچھ فرمایا وہ مقصد حسینی کی تکمیل کے جذبات سے بھرے ہوئے دل کی پوری ترجمانی کرتا ہے آپ نے فرمایا۔

"تم اپنے دل پر قابو حاصل کرو قسم ہے خدا کی تمھارے دادا اور پدر بزرگوار اور چچا سے رسول اللہ کا ان مصائب کے برداشت کرنے کے متعلق معاہدہ ہے اور خداوند عالم نے اس امت کے کچھ لوگوں سے عہد لیا ہے جن کو ان فرعونیوں کا گروہ نہیں پہچانتا وہ لوگ اہل آسمان میں مشہور ومعروف ہیں وہی ان شہداء کے اعضاء پریدہ اور ان خون آلود لاشوں کو جمع کرکے دفن کریں گے اور ضریح مقدس پر ایسا نشان قائم کریں گے کہ اس کے آثار کو کوئی مٹا نہیں سکتا حالانکہ پیشوایان کفر اور سربرآوردگان گمراہی وضلالت اس کے محو کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے لیکن اسکی بلندی بڑھتی ہی جائے گی۔

اس کے بعد امام نے پوچھا وہ عہد کیا ہے جناب زینب نے ام ایمن کی ایک حدیث بیان فرمائی جس میں واقعہ کربلا کو پیشین گوئی کے طور پر بیان کیا گیا ہے (دیکھو طراز المذہب ص ۲۵۵ مطبوعہ ایران)

واقعہ کربلا کے بعد جناب علیا مقام نہایت استقلال سے بچوں اور عورتوں کی نگرانی کرتی ہوئی اس خلقت دنیا کا مقابلہ کرتی جارہی تھیں جو اسلامی احکام کی رو سے اور ایام جاہلیت کے رسم ورواج کی بنا پر بھی ایک باعزت خاندان کے لئے حد درجہ اہانت خیز تھا اور اسی کے ساتھ احکام الٰہیہ کی تبلیغ بھی فرماتی جاتی تھیں۔

کوفہ میں پہونچکر آپ نے تماشائیوں سے مخاطب ہوکر فرمایا اپنی آنکھیں بند کرلو اور ہمیں نہ دیکھو۔ لوگوں نے ارشاد سنتے ہی اپنی آنکھیں عورتوں کی طرف سے ہٹالیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک تقریر فرمائی۔ راوی نے بیان کیا ہے کہ ہمیں یہ محسوس ہورہا تھا کہ الفاظ علی ابن ابیطالبؑ کی زبان میں ڈھل رہے ہیں۔

اس طویل تقریر کا یہ جز خاص طور پر قابل غور ہے کہ "تم نے جتنی کوششیں کیں وہ سب رائیگاں گئیں جن ہاتھوں سے تم نے یہ کام کیا وہ ہلاکت میں پڑگیا تمھاری تجارت میں تم کو گھاٹا ہوا۔"

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ

افسوس تم پر کوفہ والو۔ تم کو معلوم ہے کہ تم نے عہد کے کس جگر کے ٹکڑے کئے اور تم نے کونسا عہد توڑ ڈالا کونسی قابل احترام ہستی کو تم نے باہر نکالا اور کس کا خون بہایا اور کس کی بے احترامی کی۔ تم نے بڑی سنگدلی کا کام کیا

قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے اور زمین شگافتہ ہوجائے
اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں تم نے نہایت سخت درندگی
کا کام کیا ۔

کیا اسکے بعد بھی تم کو تعجب ہے کہ
آسمان سے خون کیوں برسا ؟

آخر جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ
اے پھوپھی اب خاموش ہوجائیے آپ عالمۂ غیر معلمہ ہیں ۔

اسکے بعد ایک تقریر جناب زینب نے ابن زیاد
کے دربار میں کی ۔

ہماری یہ مخدرہ علیا دربار میں ایک گوشہ میں کسی طرح
بیٹھ گئیں ابن زیاد کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی ۔ اُس نے پوچھا
یہ کون ہیں جو اس نفرت و حقارت سے میرے دربار میں
بیٹھی ہوئی ہیں ۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ جناب زینب بنت
علی ہیں ۔ یہ سُنکر ابن زیاد مخاطب ہوا ۔ کہنے لگا " زینب
دیکھا تم نے کہ خدا نے تمھارے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا "
معظمہ نے فرمایا اُس نے جو کچھ کیا وہ اچھا کیا ان لوگوں کو
" قتل ہونا ہی تھا وہ سب اپنی اپنی خوابگاہوں میں پہونچ گئے
خدا عنقریب تم کو اور ہم کو ایک جگہ جمع کرے گا وہاں تم لوگ
آپس ہی جھگڑا اور کٹ حجتی کروگے ۔ اے ابن زیاد تیرے
لئے ایک خاص مقام معین کیا گیا ہے جہاں تجھ سے سوالات
کئے جائیں گے تو تو جواب کے لئے تیار ہوجا ۔ اُس روز
دیکھنا کہ کس کی فتح ہوئی اور کس کو شکست "

جناب زینب کی یہ گفتگو جب ختم ہوئی تو ابن زیاد قتل پر
آمادہ ہوگیا ۔ عمرو ابن حریث نے کہا کہ عورتوں سے مواخذہ
آج تک کسی نے نہیں کیا یہ عورت ہیں ان سے تو مواخذہ نہ کر ۔
یہ سُنکر ابن زیاد کہنے لگا کہ خدا نے حسینؑ سرکش اور دوسرے
گنہگاران اہلبیت کو قتل کرا کے میرے دل کو تسکین دی (معاذاللہ)

جناب زینب یہ سُنکر رونے لگیں فرمایا کہ
اگر ان لوگوں کے قتل سے تجھکو تسکین ہوئی اور تیرے
سینہ میں ٹھنڈک تو میں مانتی ہوں کہ ہوگئی ؟

ان تقریروں سے جو اثر ہوا وہ اپنے معجزات آج تک
دنیا کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے اور آج بھی باوجودیکہ مختلف
لباسوں میں اہل عناد ان آثار کو محو کرنے کی کوشش کرتے رہتے
ہیں لیکن دنیا دیکھتی ہے کہ ایکطرف اُن کی کوشش اور دوسری
طرف یہ تیرہ سو برس کا فرسودہ افسانہ حیرت انگیز مقابلہ
کرتا ہے اور کسی کے بنائے کچھ نہیں بنتی ۔

ہماری داستان غم رُلاتی ہے زمانہ کو
وہ ہم ہیں جو زبان غیر سے فریاد کرتے ہیں

شاہ دہلی حضرت ظفر بادشاہ اور محرم

محرم میں بہادر شاہ ظفر شاہ دہلی فقیر کے سبز کپڑے پہنتے
اور گلے میں سبز جھولی ڈالتے تھے چھٹی تاریخ کو تھوڑی
دیر کے لئے سقے ہاتھوں میں لیکر اور چاندی کی زنجیر کمر
میں باندھکر گشت کرتے تھے ۔ ساتویں کو مہندی بڑی دھوم
دھام سے اُٹھتی تھی ۔ اور بادشاہ بنفس نفیس اسکی مشایعت
کرتے تھے ، آٹھویں کو حضرت عباس سقائے حرم کی یادگار
میں لال کھاروے کی لنگی باندھکر بہشتی بنتے اور شربت
کی بھری ہوئی مشک کاندھے پر رکھکر معصوموں کو شربت
پلاتے تھے ۔ دسویں تاریخ کو عشرے کے دن موتی مسجد میں
عاشورہ کی نماز پڑھکر ظہر کے وقت حاضری کے دسترخوان
پر نذر دیتے تھے ۔ دسترخوان پر شیرمالیں چنی ہوتی تھیں اور
شیرمالوں پر کباب ۔ پنیر ۔ پودینہ ، ادرک ، مولیاں کترکے
رکھی جاتی تھیں ۔

یہ رسوم اہلسنت میں نہ اس وقت رائج تھے نہ اب ہیں خصوصاً
نماز عاشورہ اور حاضری کا سنیوں کے مذہب میں قطعاً وجود
نہ تھا ۔

امیر احمد علوی بی ۔ اے ۔ ۸۴ - ۸۵
نامی پریس لکھنؤ بہادر شاہ ظفر

سورۃ العصر

(اور)

حسین کا کارنامۂ شہادت

عالیجناب مولانا علی صفدر صاحب ایم اے ایل ایل بی لکھنؤ

مقدمہ۔ اس سورہ کی تفسیر سے پہلے ہم دو اصولوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

اول یہ کہ بیان معرفت میں قرآن مجید بجائے استدلال کے دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ اشارہ کئی طریقہ پر ہے منجملہ اُن کے ایک اشارہ قسم ہے کہ قسم سے مراد توثیق کلام ہے یعنی قسم وہ ہے جو کسی بیان کے لئے ثبوت ہو اس واسطے قسم بمعنی دلیل و برہان ہوا۔ چنانچہ قسم کے معنی کی توضیح سورہ والفجر کی ابتدائی آیات نے کی ہے۔

والفجر ولیال عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر فی ذلک قسم لذی حجر۔ اس آخری آیت کی بلاغت حیرت انگیز ہے۔

فی ذلک میں ذلک کا واحد ہونا یہ بتاتا ہے کہ اوپر کی چاروں آیتیں ملکر ایک مفہوم ہے۔

(۲) اور یہ مفہوم ایک قسم ہے۔

(۳) اور یہ مفہوم قسم ہے اہل عقل کے لئے یعنی اس قسم کا ہونا اُن لوگوں پر ظاہر ہوگا جو عقل سے کام لیں گے یعنی غور وفکر سے یہ امر حاصل ہوگا یعنی یہ امر نظری ہے اور امور نظری میں عقل کا کام ترتیب قضایا اور انتاج ہے۔

(۴) اس واسطے قسم کا دلیل ہونا متعین ہوا۔

(۵) پس اس آیت نے اہل عقل پر امور معرفت میں نظر کرنا واجب کیا۔

(۶) اور یہ بھی ظاہر کیا کہ بیان معرفت میں قرآن مجید نے حصول دلیل کو مکلف پر چھوڑ دیا ہے۔ صرف دلیل کی طرف اشارہ پر اکتفا کی ہے اور دلیل تک پہونچنے کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ قسم کی آیات کو آیت مابعد سے ربط دیا جائے اور ربط دینے کے لئے وہ قضایا لانا ہوں گے جو اصول دین کے ضمن میں ثابت ہوئے ہیں یا جو بداہت سے حاصل ہوں چنانچہ سورہ العصر کی تفسیر میں جس مطلب سے کام لینا پڑتا ہے وہ اصول دین میں سے حسب ذیل امر ہے۔

انسان میں اسقدر حوائج جسمانی اور خواہشات نفسانی ہیں کہ باوجود عقل اور امتیاز حق وباطل اور ان اسباب ہدایت کے جو خدا نے اپنے فضل وکرم سے اُس کے لئے مہیا کئے ہیں کہ اُس کا حق کو اختیار کرنا اور عمل صالح پر قائم رہنا بغیر احتیاط کے دشوار ہے۔ لیکن چونکہ مشیت ایزدی اس امر سے متعلق ہوئی کہ ایسی مخلوق پیدا کرے جو لذائذ جسمانی۔ سرور روحانی کے علاوہ تکریم کو بھی حاصل کر سکے۔

لذائذ جسمانی۔ حیوانات کے لئے ہیں اور ان کے سوا کسی نعمت کے حصول کی استعداد اُن میں نہیں نہ وہ عزت وذلت کا احساس کر سکتے ہیں نہ سرور روحانی اُٹھا سکتے ہیں۔

سرور روحانی جو ادراک حقائق سے ہوتا ہے
ملائکہ کے لئے ہے لیکن لذات جسمانی کی استعداد اُن میں
نہیں ہے گو عزت اور ذلت کا ادراک ہے۔

انسان ایسی مخلوق ہے کہ جسمیں لذات جسمانی۔ سرور
روحانی اور عزت یا تکریم سب کی استعداد ہے۔ اسواسطے
وہ بالاستعداد سب سے زیادہ نعمتوں کا مورد قرار دیا گیا۔
اب چونکہ عزت یا تکریم کا حصول اسیوقت ہو سکتا ہے
جبکہ کوئی ایسا کام کرے جسمیں دشواری ہو۔ اور جسقدر
زیادہ دشواری کام میں ہوگی اُسیقدر زیادہ استحقاق
عزت و تکریم حاصل ہوگا۔ تو چونکہ تمام مخلوقات میں صراط مستقیم
پر قائم رہنے کے لئے انسان کے لئے سب سے زیادہ دشواریاں
اور مزاحم ہیں اسواسطے کوئی مخلوق استحقاق انعام اور عزت
و تکریم میں انسان پر سبقت نہیں لیجا سکتا۔ چنانچہ اس انعام کو
خدا نے باعتبار کیف کے کامل بنایا ہے اور باعتبار زمانہ کے
ابدی اور باعتبار مقدار کے خواہش سے زیادہ۔ ولیکن جس
نے باوجود عقل کے اُس کو قبول نہ کیا اور باوجود امتیاز خیر و شر
شر کو اختیار کیا تو اُسکے واسطے ایسا عذاب مقرر کیا ہے
جو شدت میں نہایت سخت زمانہ کے لحاظ سے ابدی اور قسم
کے اعتبار سے گوناگوں ہے۔ اب ان باتوں کی تصریح کے
بعد ہم اس سورۃ کی توضیح کرتے ہیں۔

والعصر۔ عصر کے معنی زمانہ یا آخر روز تا سرخ شدن
آفتاب۔ معنی اول سے عصر کا استعمال مضاف کے ساتھ
ہوتا ہے جیسے عصر مامون رشید۔ عصر جدید وغیرہ۔ اس
واسطے دوسرے معنی کا بیان تعین ہوا۔ عصر کے وقت
فطرت میں زوال نور و حرارت ہوتا ہے اور انسان سے
بوجہ دن کے کام کے تکان سے زوال قوت ہوتا ہے اور
زوال مودی بہ فنا ہے۔ اسواسطے یہ زوال انسان کے فنا
ہونے اور عالم کے فنا ہونے کی دلیل ہے۔
یعنی والعصر کے معنی یہ ہوئے کہ آخر روز کے حوادث سے
دلالت ہے (بعد کی آیت کے بیان پر) اور یہاں ظرف زمانی
کہا محاورہ کے تتبع میں اور مظروف مراد لیا۔

اس کے بعد کی آیت ان الانسان لفی خسر ہے اس
آیت کا ربط اس طرح چاہئے کہ والعصر اسکی دلیل ہو جائے
پس مطلب صاف ہے کہ انسان کے فنا ہونے اور عالم
کے فنا ہونے کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو انسان کا
(سوائے مستثنیٰ کے) خسارہ میں ہونا ظاہر ہے۔ اور وہ اس
طرح کہ اُس نے تھوڑے نفع (دنیا) کو اختیار کیا اور بڑے
نفع کو ترک کیا بلکہ اُسکے ساتھ ایسا ضرر خرید لیا جو دنیوی
لذات حاصل شدہ کے مقابلہ میں نہایت عظیم عذاب ہے۔
تو یہاں دوہرا خسارہ ہے کہ ایک تو متوقع عظیم منفعت کے
مقابلہ میں تھوڑے سے نفع کو لے لیا اور جو نفع یہاں اُٹھایا
وہ اپنی سزا کے مقابلہ میں نہایت خفیف ہے۔

**الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق و
تواصوا بالصبر**۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور
عمل صالح کئے اور وصیت حق کی اور وصیت صبر کی یعنی
یہ لوگ خسارہ میں نہ ہونگے بلکہ بڑے نفع میں ہوں گے
کہ تھوڑی سی مشقت اُٹھا کر بے نہایت نعمتیں حاصل کریں گے
یعنی اُن کو نجات حاصل ہوگی داخل بہشت ہوں گے۔

وصیت کے معنی مطلق نصیحت یا وہ نصیحت جو کوئی
اپنے پسماندگان کو کر جائے۔ یعنی مرجانے کے بعد وہ نصیحت
اُن کی ہدایت کا سبب ہو۔

فحوائے آیت سے ظاہر ہے کہ فقط ایمان کفیل نجات
نہیں۔ مطلقاً ایمان اور عمل صالح ہی کفیل نجات نہیں بلکہ
جب ایمان اور عمل صالح اس درجہ پر پہونچ جائے کہ وہ
وصیت حق اور وصیت صبر کا سبب ہو تو وہ کفیل نجات ہے۔

نصیحت دو طرح ہوتی ہے قول سے اور عمل سے چنانچہ
ایک متقی کی زندگی دوسروں کے لئے جو اُس کے حال کے
شاہد ہیں قوی نصیحت ہے۔

یعنی حق اُن کے نفوس میں اس طرح جاگزیں ہو کہ انکے جملہ افعال و اقوال حق کی تبعیت میں واقع ہوں۔ تو وہ اپنے افعال و اقوال سے حق کے بڑے گواہ یا شہید ہیں کہ اُنکی مثال لوگوں کو حق اور صبر کی طرف کھینچتی ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ وہ اس ہی حال پر آخر زندگی تک قائم رہیں تب یہ امور کفالت نجات کر سکتے ہیں۔ ورنہ ممکن ہے کہ ایک مومن سے بہت سے اعمال صالح صادر ہوں لیکن اگر آخر میں معصیت اختیار کرے تو اُسکی نجات متیقن نہیں۔ پس ضرور ہے کہ وہ تواصوا بالحق اور تواصوا بالصبر کا مصداق آخر تک رہے۔

اسواسطے اس سورہ میں وصیت کے معنی اُس نصیحت کے ہیں کہ جو انسان اپنی موت کے بعد چھوڑ جائے۔

تواصوا بالحق وصیت حق سے مراد یہ ہے کہ اپنے قول اور فعل سے دین کی (جو حق ہے) صداقت ظاہر کرنا اور دین کی گواہی شہید (مقتول فی الجہاد) اس طرح دیتا ہے کہ جیسی مثلاً امام حسینؑ نے اپنے قتال سے دی ہے۔

اگر حضرت کی غرض اس قتال سے حصول ملک دنیا کا حصول ہوتا تو جس وقت وہ حضرت دیکھتے کہ اب اس غرض کے حصول کی کوئی امید نہیں بلکہ جان بھی جاتی ہے تو ہر طالب دنیا ایسے موقع پر بیعت یزید کر لیتا اور جان کو مال و دولت پر ترجیح دیتا اور جان بچاکر دوسری تدبیر سے حصول دولت کی کوشش کرتا لیکن امام نے یہ دیکھکر کہ اسلام کے مٹ جانے کا خطرہ ہے اس واسطے کہ یزید علانیہ فسق و فجور سے اُسکی عملی تکذیب کر رہا ہے اور وصیت باطل پر آمادہ ہے اور مسلمان بر بنائے الناس علے دین ملوکھم اسلام کو ترک کرتے جاتے ہیں اور اُس فاسق کی طرف جذب ہو رہے ہیں اور اس شریعت کو جس کے وہ حامل اور حافظ تھے باقی رکھنا ضروری سمجھا تو اسواسطے انھوں نے اپنا قتل ہو جانا منظور کیا کہ اُس شہادت سے بقاء اسلام کے اسباب پیدا ہو جائیں اس طرح حضرت نے

یہ ثابت کیا کہ شریعت کے حامل اُس پر یقین کامل رکھتے ہیں نہ یہ کہ شریعت کو دنیا حاصل کرنے کا حیلہ بنایا ہے اور اُسکی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ اُنکی ایجاد طبع ہے۔ بلکہ اُنپر شریعت کا نزول ایک واقعہ ہے جو اُن کے افعال سے ثابت ہے۔ اسی طرح جو مومن اپنے افعال سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دنیا کے فوائد کو حق کے لئے ترک کرتا ہے تو وہ حق کی وصیت کرتا ہے۔

تواصوا بالصبر۔ ہر عمل صالح کے لئے صبر لازم ہے کیونکہ عمل صالح یا تو سبب تکلیف ہے جیسے نماز روزہ حج جہاد کہ انسان راحت کو ترک کرتا ہے اور تکلیف اختیار کرتا ہے اور اُس تکلیف پر صبر کرتا ہے۔

یا عمل صالح ترک حرام پر مشتمل ہے اور یہاں نفس اُس لذت سے جو فعل حرام میں ہے روکتا ہے یعنی صبر سے کام لیتا ہے۔ بہرحال صبر ہر عمل صالح کا جزو ہے اور جس قدر کسی فعل میں زیادتی صبر ہوتی ہے اُسیقدر اُسکی صلاحیت اور ثواب کی زیادتی ہوتی ہے۔ اسواسطے صبر سے عمل صالح مراد ہے۔

ماحصل اس سورہ کا یہ ہے کہ جو مومن عمل صالح کرتے ہیں اور ایمان اُن کے نفوس میں اس طرح جاگزیں ہے کہ اُن کے قول اور فعل سے وصیت حق اور وصیت صبر حاصل ہوتی ہے اُن کی مغفرت یقینی ہے۔

اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اُخروی خسارہ کا استحقاق حاصل کر رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ سورۃ ایک خاص وصف کے مومنین کے لئے مغفرت کی بشارت دے رہی ہے۔ اور کچھ لوگوں کو اُن کے نقص ایمان پر متنبہ کر رہی ہے کہ وہ خسارہ میں ہیں۔ اپنے ایمان اور اعمال کو درست کریں اور اولی الذکر کی وصیت حق اور وصیت صبر سے فائدہ اُٹھائیں تاکہ اُنکے ایمان اور افعال درست ہو جائیں۔ اور چونکہ صراط مستقیم کا حصول صرف اتباع معصومینؑ میں منحصر ہے۔ تعین ہوا

کہ خسارہ والوں کو تنبیہ اسی وقت مفید ہوسکتی ہے جبکہ تدبیر صلاح اُن کے لئے ممکن ہو۔ اسواسطے ضرور ہوا کہ کچھ ایسے کامل الایمان نزول سورۃ کے وقت موجود ہوں جن کا ہر فعل اور قول وصیت حق و صبر کرتا ہو اور اُن کے اتباع کا حکم ہو

اب اگر ایسے مومن سے مراد خود رسول اللہ کو لیا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ مصرح حکم اُن کے اتباع کا اپنے محل پر قرآن میں حاصل ہوچکا ہے۔ پس یہ پوری سورۃ تکرار عبث اور تحصیل حاصل کا مصداق ہوئی جاتی ہے۔ بلکہ اس مطلب کو ایک پوری سورۃ میں بیان کرنا دلالت کرتا ہے تاہم پر کہ اس سے افادہ مطلب خاص کا لازم ہے۔

اس واسطے سوائے رسول کے کوئی اور شخص یا اشخاص ہیں جن کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے۔ لیکن تعین فرد یا افراد جو کسی آیت کا مصداق ہیں ہمیشہ رسول پر محول۔ بنا بریں اسواسطے حدیث رسول کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اور حدیث میں اس فرد یا افراد کا تعین پایا جانا ضروری ہے

چنانچہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کو خدا کی طرف سے یہ خبر دی گئی کہ فلاں شخص کو تمھاری آل سے ایسا موقع پیش آئے گا کہ کمال وصیت حق و صبر کا مستلزم ہے اور اس خدا کے بندہ نے اپنے راضی بالرضا ہونے کا تہیہ کیا اور اس کمال وصیت حق و صبر کو اپنے عزم سے باہر نہ پایا۔ جس پر رحمت الٰہی نے اس کی جانب التفات کیا اور بوجہ بنائے ترغیب اور تحریص الی الحق اس سورۃ کو نازل فرمایا۔ امام کے محامد کو ظاہر کیا اور اُمت کو اُن کی مثال کے اتباع کا حکم دیا

اس صورت میں یہ سورہ حسب ذیل مطالب پر دال ہوا

(۱) وہ کامل الایمان جو وصیت حق و صبر کرتے ہیں ناجی ہیں

(۲) امام حسینؑ کو جو اپنی شہادت سے کمال وصیت حق و صبر کرنے والے ہیں بشارت مغفرت ہے۔

(۳) امام حسینؑ اور ایسے حضرات کا اتباع کرنا چاہئے۔

(۴) جو لوگ اُن کے اتباع کی سعی نہیں کرتے وہ متنبہ کئے جاتے ہیں کہ وہ خسارہ میں ہیں۔

(۵) سورہ کا نزول امام کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے

جب اس سورہ کے پانچ مدلول قرار پائے اور یہ معلوم ہے کہ والعصر یعنی حوادث عصر سے اسکی آخری دو آیتوں کے مطالب پر دلیل حاصل ہے اور دو مطلبوں پر والعصر سے دلیل حاصل ہونا ابھی واضح ہوچکا ہے یعنی ۲ و ۳ و ۴ تو باقی مطالب پر بھی والعصر سے دلیل ملنا چاہئے۔

سورہ کا نزول بغرض تکریم حسینؑ ہے۔ اور امام حسینؑ قابل اتباع ہیں۔ ان پر والعصر سے دلیل حاصل ہونا چاہئے۔

چونکہ والعصر سے حوادث عصر مراد ہیں انھیں سے وہ نماز بھی ہے جو امام نے روز عاشورہ عصر کے وقت ادا کی۔ چنانچہ ایسے حال میں جبکہ حضرت بھوکے پیاسے شدید زخمی ہیں اور بدن میں تیر پیوست ہیں اس وقت نماز کی طرف رجوع کرنا اس امر پر دال ہے کہ حق حضرت کے نفس میں اس طرح جاگزیں تھا کہ کسی وقت اور کسی حال میں حضرت وصیت حق اور وصیت صبر سے جدا نہیں ہوسکتے۔ اور یہ کمال حضرت کو خلائق کا متبوع قرار دیتا ہے۔

پس متعین ہوا کہ والعصر سے مراد حضرت کی وہ نماز عصر بھی ہے اور یہ امام کی فضیلت کے کمال پر دال ہے کہ انکی ایک نماز کو رب العالمین بطور رحجت کے پیش فرمائے۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ آیت امام حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے تو اس میں اُن کے نام کے ذکر کا کون مانع تھا

جواب یہ ہے کہ تعین فرد جیسا کہ رسول اشارہ حسیہ سے ذکر نام کے ساتھ کرسکتا ہے وہ کتاب سے ممکن نہیں اسواسطے یہ کام ہمیشہ رسول پر محول رہتا ہے کیونکہ کلام رسول بھی مطابق وحی ہوتا ہے۔

دوسرے اگر آیت امام حسینؑ کے لئے مخصوص ہوتی تو دوسروں کے لئے ترغیب الی الخیر کا سبب نہ ہوسکتی۔

تیسرے وہ کمال وصیت حق اور وصیت صبر جو ایک

نفاق کے امنڈتے ہوئے سیلاب میں سفینۂ اہلبیتؑ

(جناب سید اکبر علی صاحب ایم اے ایل ٹی پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ)

اگرچہ داخل طبع جہاں ہی کون و فساد
مگر زمانہ کی نیت فساد سے نہ بھری

سرشت انسانی بھی ایک عجیب طرفہ معجون ہی جس قدر زیادہ اس کا مطالعہ کرتے جائیے حیرت کی انتہا باقی نہیں رہتی ماہرین نفس تھک کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ فطرت انسانی مجموعہ اضداد ہے۔ بیک وقت آگ بھی ہے پانی بھی ہے، دودھ بھی ہے۔ کول تار بھی ہے سکون بھی ہے۔ طوفان بھی ہے۔ ٹھہرا ہوا دریا بھی ہے امنڈتا ہوا سیلاب بھی ہے۔ رحم بھی ہے، غضب بھی ہے مہربان بھی ہے۔ نامہربان بھی۔ عادل بھی ظالم بھی ہے کریم بھی بخیل بھی۔ لہذا انسان کے متعلق جہاں تک اس سے توقعات کا سوال ہی کوئی صحیح اور یقینی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی ہے کہ کب دوست دشمن ہو جائے گا اور کب دشمن دوست ہو جائے گا۔ کب وفادار غلام بے وفا ہو جائیگا اور کب بیوفا آشنا بیگانہ ہو جائیگا۔ بس اسی تلون نے غضب ڈھا دیا ہی۔ معاشیات کو پیچیدہ اور حیات انسانی کو ایک مستقل گتھی بنا دیا ہی۔ کسی سے کوئی کیا امید رکھے؟ توقعات کے پورے ہونے کے کیا حدود قائم کئے جائیں؟ یہ سب ایسے مسائل ہیں جن کا حل کرنا آسان نہیں بلکہ بعید دشوار ہے۔

حسن اخلاق اور اچھے برتاؤ سے وحشی جانور، خونخوار درندے رام اور پالتو کئے جاسکتے ہیں مگر انسانی وحشت کو دور کرنے کا اب تک میرے خیال میں کامیاب علاج ممکن نہ ہو سکا۔ قصے کہانیوں میں سُنا ہی اور زندہ عجائب خانوں میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہی کہ شیر چیتے تک خوراک دینے والوں کے سامنے کتوں کی طرح دم ہلاتے ہیں جانور تک نیکی کا بدلہ نیکی سے دیتے ہیں۔ احسان فراموشی یہ صرف حضرت انسان ہی کی امتیازی خصوصیت ہے۔ یہ غالباً مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ جس نے بھی نوع انسانی کی زیادہ بھلائی چاہی اسی کی یہ زبردست دشمن بنی۔ یونانیوں کا دعویٰ تھا کہ دنیا میں سب سے پہلے ملکی قانون انھوں نے رائج کیا اور عدل و انصاف کی بنیادیں مستحکم و مضبوط کرنیکا ان ہی کو فخر حاصل ہی۔ لیکن عمل دیکھئے کہ بے گناہ سقراط کو گنہگار ثابت کرکے زہر کا پیالہ پلا دیا۔ رہتی دنیا تک یونانیوں کے عدل و انصاف و قانون دانی پر یہ ایک زبردست کلنک کا ٹیکہ ہے حضرت یحییٰ کا سر کاٹنے والے حضرت زکریا کو آرے سے چیرنے والے۔ حضرت ایوب پر مصائب کا پہاڑ ڈھانیوالے حضرت نوح۔ حضرت موسیٰ کو اذیتیں دینے والے سب ہی لوگ تھے جن کی ان پیغمبروں نے خدمتیں کی تھیں۔ حضرت عیسیٰ نے ہزاروں بیماروں کو شفا بخشی خدا کے حکم سے مردوں کو جلایا۔ لیکن ان ہی شفا پانیوالوں نے خدا کے اس معصوم بندے کو ڈاکوؤں کے ساتھ صلیب پر چڑھا دیا۔ ہر وقت ہر لحظہ ساتھ میں رہنے والے حواری بھی اپنے روحانی اُستاد کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یوسف کو بازار میں غلام بنا کر فروخت

کرو نیز اے کوئی غیر نہ تھے۔

حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حالانکہ اپنی امت کے لیئے رحمت تھے مگر اُسی اُمت نے آنکھ بند ہوتے ہی کچھ ایسا رنگ بدلا گویا رسول نے ان کے لیئے کوئی خدمت کی ہی نہین مختصر یہ کہ دنیا بھر کے جانور پالو بنائے جاسکتے ہیں لیکن انسان ہی وہ خونخوار حیوان ہے جسے پالو بنانا ایک محیر العقول کارنامہ یا معجزے سے کسی طرح بھی کم نہین۔

پھر یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ شیر ہر حالت مین شیر ہی رہتا ہے۔ بھیڑیا بھیڑیا رہتا ہے۔ کتا۔ سانپ بچھو سب اپنی اپنی فطرت پر قائم رہتے ہیں۔ ہان گرگٹ ضرور رنگ بدلتا ہے مگر اسکی طبیعت کا زہر نہین بدلتا ہے لیکن یہ حضرت انسان ہی میں صفت ہے کہ وہ بہروپیہ بھی بن سکتا ہے اور اپنی فطرت کو چھپا کر دوسرے رنگ مین دکھا سکتا ہے ع خبث نفس نگردد بہ سالہا معلوم۔
منافق صرف انسان ہی ہو سکتا ہے۔ صفت نفاق سے ہر جانور۔ کتا بلی۔ شیر۔ بھیڑیا۔ گائے بیل۔ سانپ۔ بچھو۔ کوا چیل۔ سور بجو سب ہی محروم ہین۔ خدا پناہ میں رکھے اس فسادی انسان نما حیوان سے جو منافق بھی ہو۔ یہی وہ مجسم شیطان ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پرسکون دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہو جاتے ہیں۔ تاریخون کا رخ بدل جاتا ہے۔ دنیائے انسانیت کو جس قدر بھی نقصانات اب تک پہونچے ہیں ان میں سے بیشتر کا ذمہ دار یہی نفاق ہے شیطان کا یہی ایک چلتا ہوا منتر اور کارآمد حربہ ہوتا ہے نیکی کے مقابلہ مین بدی کی رونق اور وقتی فتح اسی نفاق کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر زمانہ کی حالت کو دیکھتے ہوئے اور اُسے سدھارنے کی غرض سے منجانب خدا پیغمبر پیدا ہوتے رہے۔ ان کو زمانہ کی مناسبت سے معجزات بھی ملتے رہے۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں سحر زیادہ پھیلا ہوا تھا اسلیئے ان کو ید بیضا اور عصا وغیرہ کے معجزات عطا ہوئے۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں بیماریان زیادہ بڑھ گئی تھین لہذا مریضون کو چنگا کرنے کے معجزات ان کو عطا ہوئے تھے عرب کا چٹیل سنگلاخی ملک و ریگستان کسی قوم کے لیے ضروریات زندگی آسانی سے فراہم نہین کر سکتا ہے اس لیئے کشمکش حیات زیادہ ہو گئی جہد للبقا کی کڑیاں سخت تر ہوئیں۔ تعلیم و تمدن کے فقدان سے خونخواری جنگجوئی۔ بربریت زیادہ بڑھی۔ اونٹ کے گوشت کے استعمال سے انتقام کے جذبات جب زیادہ ہوئے تو خونریزی کا بازار استمراری طور سے گرم ہونے لگا۔ اسی قوم کی اصلاح کے لیئے خدا کا رسول رحمت بنا کر بھیجا گیا پھر ایسے خونخوار بھیڑیون کا خونریزی کی عادتین چھوڑ کر پُرامن زندگی بسر کرنے کا خوگر بنانا بس اسی پیغمبر کا معجزہ ہو سکتا تھا۔ جو یہ کہا کرتا تھا کہ میں بھی مثل تم لوگون کے ایک انسان ہون فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور تم پر وحی نہین آتی ہے"
ایسی ربانی رحمت کو جو زحمتین اور اذیتین اپنی امتون کے ہاتھون اٹھانا پڑین وہ پوشیدہ نہیں۔ یورپ کا مایہ ناز مورخ گبن ایک مقام پر لکھتا ہے کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ حضرت محمد مصطفٰے نے عرب ایسی غیر مہذب۔ غیر متمدن وحشی جنگجو۔ منتقم قوم کو کیسے تھوڑے ہی عرصہ میں ایسا مہذب و متمدن بنا دیا کہ نہ صرف یہ دنیا کی مہذب و متمدن قومون پر حکمران بن گئی بلکہ ان ہی مہذب و متمدن قومون کو زیادہ مہذب و متمدن بنانے لگی۔ لیکن باوجود اسکے کہ قرآن مجید میں ہزارہا جگہ منافقین کی مذمت کی گئی ہے اور نفاق کو بدترین خصلت بتایا گیا ہے۔ صرف یہی نہین بلکہ منافقین کی مذمت میں ایک مستقل سورہ بھی نازل کیا گیا ہے۔ منافق اور نفاق کی مذمت مین خود رسول کی ہزارہا حدیثین ہیں مگر بھی یورپ کے بلند پایہ مورخ گبن کو اپنی مشہور اور معروف تاریخ عروج و زوال سلطنت روم میں یہ لکھنا پڑا کہ خاندان امیہ جب کمزور ہو

اور حضرت محمد کا مقابلہ کرنے کی طاقت باقی نہ رہی تو اس کے بیشتر افراد نے محض زبان سے تو رسول کا کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کے دلوں میں بنی ہاشم کے خلاف بغض و حسد و انتقام کے زہریلے جذبات رہ رہ کے امنڈتے رہے۔ بیشک خاندان رسالت کے دشمن اس موقع کے ہمیشہ منتظر رہے جب وہ پھر بنی ہاشم اور اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اپنا سکہ بٹھالیں۔

ہر عمل کے لیے ردعمل ضروری و فطری ہے اور منافق تو انتقام لینے کے لیے موقع ڈھونڈھا ہی کرتا ہے چنانچہ مغلوب شدہ دشمنان اسلام کو بعد وفات رسولؐ پامالی اسلام کا ایک موقع مل گیا۔ دشمن خدا اور رسول ابو سفیان اور ہندہ جگر خوارہ کا پوتا ننگ اسلام یزید نے خلیفۃ الرسولؐ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ دنیا ہمیشہ دولتمند کا ساتھ دیتی ہے۔ ملک عرب میں صرف معمولی جوار یا خرمہ اور بس لیکن اس کے مقابلہ میں ملک شام میں سب کچھ گیہوں۔ چاول۔ جو۔ جوار۔ چنے۔ ترکاری۔ سیب۔ سنترا۔ لوکاٹ۔ انجیر کی کثرت اور انگور اس قدر کہ جس قدر دل چاہے شراب بناؤ اور پانی کی طرح بہاؤ کوئی کمی نہیں۔ مختصر یہ کہ جب مسند خلافت پر وہ آ گیا جس کے نزدیک اسلام اور اس کی تعلیم سب ڈھونگ تھی اور نہ خدا کا بھیجا کوئی رسول آیا تھا نہ وحی۔ اور وہ سب کچھ جسے حضرت محمدؐ نے بذریعہ تبلیغ انجام دیا تھا سب بنی ہاشم کا سحر تھا تو پھر کوئی تعجب کا مقام نہیں اگر یورپ کا ایک مورخ ڈوزی یہ کہہ اٹھے کہ عہد یزید میں زمانہ کفر نے پلٹا لیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں شراب۔ زنا۔ جنگ یہ تینوں چیزیں عربوں کی زندگی کی طرہ امتیاز بنی ہوئی تھیں عہد یزید میں پھر سے یہ پرانی باتیں نئی ہو کر امتیازی حیثیت سے نمایاں ہو گئیں۔

عرب کے چٹیل بے آب و گیاہ ریگستان میں نان جویں پر بسر کرنے والے چند صحابی باقی رہ گئے باقی جس کی سمجھ میں جہاں آیا نکل گیا۔ شام کا دسترخوان قدرتی پیداوار ہی سے ہر ایک کے لیے کشادہ تھا پھر دو چند اعزاز خلیفہ کی ہمت افزائیوں سے اور بھی مجمع خلائق بن گیا۔ غرضکہ اجڑا شام آباد ہوا۔

اقتدار کا نشہ۔ سلطنت کا نشہ۔ حکومت کا نشہ۔ خلافت کا نشہ۔ دولت کا نشہ۔ شراب کا نشہ۔ شہوت پرستی کا نشہ غرضکہ ہزاروں نشے تھے کہ جنھوں نے یزید کو بدمست کر دیا حالانکہ امیر معاویہ نے مرتے مرتے یزید کو سمجھا دیا تھا کہ فرزند رسولؐ حضرت امام حسینؑ کو اپنے حال پر چھوڑ دینا۔ لیکن یزید کو تو یہ ضد تھی کہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا کر چھوڑوں گا۔

الغرض نفاق کی تند و تیز آندھیاں ہر چہار جانب سے امنڈ امنڈ کر ٹڈی دل فوجوں کی صورت میں کربلا کے چٹیل میدان پر پہنچنے لگیں۔ دوست دشمن بن گئے۔ رسول کے کلمہ گو فرزند رسول ہی کے خون میں ہاتھ رنگنے پر آمادہ و مستعد ہو گئے اہلبیت رسولؐ دنیا کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگے ہزارہا قاریان قرآن کا مجمع ہے۔ لمبی لمبی ڈاڑھیاں ہیں گلوں میں ساری فوجوں کے قرآن آویزاں ہیں۔ اذان ہے۔ نماز ہے۔ تکبیریں ہیں۔ اسلام ظاہری کے تمام اسباب موجود ہیں لیکن ایمان کی جگہ پر نفاق ہے۔ زبان پر اسلام ہے لیکن دلوں میں خدا ہی جانے کیا ہے۔ اسلام کے نام پر بانی اسلام کے نواسے کو قتل کرنے پر آمادگی ہے۔ منافقین کا ہجوم ہے اور ان کے نرغے میں حسین مظلوم ہے جس کے بچوں کے لیے نہ نہر فرات کا پانی ہے اور نہ اس کی ہی اجازت ہے کہ وہ جنگلوں میں نکل جائے یا بچوں کو لیے ہوئے ہندوستان چلا جائے۔ خدا کی لق و دق زمین پر دنیا بھر کو رہنے کا حق حاصل ہے مگر جسے نہیں حاصل ہے وہ وہی خاندان رسالتؐ ہے جسے ہزاروں خطوط بھیج کر مہمان بلایا گیا تھا۔

کیا یہ قاریان قرآن سورۂ منافقون کی تلاوت نہیں کرتے تھے؟ کیا ان کے قرآنوں میں سورۂ منافقون نہ تھا؟

قتل خواہ عبث نہیں ہوتا۔ اب سمجھ میں آیا کہ دیگر رسولوں اور پیغمبروں کی طرح ہمارے رسولؐ کی شہادت کیوں نہ واقع ہوئی اس لیئے کہ آپ کی اُمّت تو اور بھی زیادہ خونخوار اور وحشی تھی۔ اسکی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ آ ۲ پرہ سورۂ منافقون نازل ہوا تھا جب تک تعلیم قرآنی کا زور رہا منافقین دبے رہے ان کو اُبھرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن جس قدر حضرت محمدؐ کا کفن میلا ہوتا گیا۔ زمانہ اہلبیتؑ سے منحرف ہوتا گیا جب منافقین مسلمانوں ہی کے خلاف فتوے دیدیا تو پھر سورۂ منافقون کی قدر و منزلت کس کی نظر میں باقی رہ سکتی تھی۔

یقیناً رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی مسلمانوں کی تعداد مختلف حیل سے گھٹائی جانے لگی۔ کچھ دار پر لٹکائے گئے کچھ کی گردن ماری گئی۔ کچھ کو زہر دغا سے شہید کیا۔ کچھ کو جلاوطن کیا۔ غرضکہ مسلمانوں کی تعداد ہر طرح سے گھٹی اور انعامات۔ تحفے تحائف جاہ و منصب۔ عطا ہو ہوکر منافقین اور دشمنان اسلام کی تعداد دن دونی اور رات چوگنی ہوئی۔

یہاں تک کہ ایک وہ دن بھی آیا کہ سچے مسلمانوں کی تعداد گھٹ کر کربلا کے میدان میں صرف ۷۲ رہ گئی رہ پہلی سنہری مصلحتوں سے جو مظلوم کربلا کے جو لوگ ہمرکاب ہوگئے تھے آنیوالی مصیبت کا شبہ پاتے ہی وہ چھوڑ بھاگے یہاں کہ سیدالشہدا کے ہمراہ صرف ۷۲ نفوس قدسی باقی بچے لیکن ان ۷۲ نفوس کی تعداد بھی اس وقت پوری ہوتی ہے جب حضرت علی اصغر کا جھولا بھی اس میں شامل کر لیا جائے۔

بیشک یہ وہ وقت تھا جب زمانہ جاہلیت نے اسلام کے خلاف زبردست پلٹا لیا اور نفاق کھل کر میدان کربلا پر ستر ہزار کوفی اور شامی فوجوں کی جمعیت کے ساتھ اسلام حقیقی کے مقابلہ پر آگیا۔ اہل ایمان کو حیرت تھی کہ کیا ہو رہا ہے دشمنان خدا کی فوج میں ایک با ایمان ہستی تھی جو خلاف توقعات باتوں کو دیکھ دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہو رہی تھی۔

شب عاشور نہایت کرب و بیچینی و انتشار و پریشانی میں گزار کر صبح کی۔ ادھر شبیہ رسولؐ حضرت علی اکبرؑ نے اذان دی اور طبل جنگ بجا ادھر نماز کے لیئے حضرت سید الشہدا نے صف باندھی ادھر ستر ہزار فوج نے تیرے برسانے شروع کئے ان ہی منافقین کی فوج میں ایک حقیقی مومن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا اور گھبرا گھبرا کر دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ یہ سب کچھ جو اُسے دکھائی دے رہا ہے خواب ہے خیال ہے یا حقیقت ہے۔ لیکن جب رفتہ رفتہ شبہات دور ہونے لگے اور آثار یہ نظر آنے لگے کہ آج مومنوں کا امتحان ہے اور یہ معرکہ کربلا حقیقی و غیر حقیقی مسلمان کی کسوٹی ہے تو گھبرا کر بہادر نے یہ خیال کیا۔ جو کچھ اب تک سونا سمجھا تھا وہ سب دھوکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حُر کو یہ مطلق معلوم نہ تھا کہ دنیا اسلام سے ایسی منحرف ہوگئی ہے کہ فرزند رسولؐ کے قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ شبہات کو یقین میں بدلنے کے لیئے خود حضرت حُر نے صبح عاشور ابن زیاد سے پوچھا کہ

"کیا ارادہ ہے؟"

ابن زیاد۔ ارادہ کیا ہی! یہی کہ اگر حسینؑ نے بیعت نہ کی تو یقیناً قتل کیئے جائیں گے۔

حضرت حُر۔ ایسے فرزند رسولؐ کے خون میں ہاتھ رنگین کریگا

شمر۔ پھر یزید کی بیعت نہ کرنے کا نتیجہ اور کیا ہو سکتا ہی

حضرت حر۔ فرزند رسولؐ اور یزید شرابخوار۔ زانی بدکار۔ دشمن خدا و رسولؐ کی بیعت۔

ابن زیاد۔ حُر ذرا ہوش میں آ۔ کیا کہتا ہی۔

حضرت حُر۔ ہاں میں سچ کہتا ہوں حسین کبھی یزید پلید کی بیعت نہ کریں گے۔

این خیال است و محال است و جنون

شمر- یزید خلیفۃ المسلمین کی شان میں یہ بدکلامی۔
حضرت حُر- ہرگز نہیں۔ بالکل غلط۔ دھوکا، فریب
مکاری، غداری- یزید کبھی خلیفۃ المسلمین کہنے کے قابل نہیں۔
ابن زیاد- پھر کیا کہنے کے قابل ہے۔
حضرت حُر- اسے خلیفۃ المنافقین کہو اور جو دل چاہے
کہو مگر اس ننگ اسلام کو خلیفۃ المسلمین نہ کہو ورنہ اسلام کو شدید
ترین نقصان پہونچے گا۔
شمر- تو کیا یزید ہمارا خلیفہ نہیں ہے
حضرت حُر- بیشک وہ تمہارا خلیفہ ہے اور تمہارے ایسے
ہزارہا منافقین کا خلیفہ ہو سکتا ہے۔ مگر۔ . . . .
ابن زیاد- اگر مگر کیا؟ تم نے کیا اس کا نمک نہیں کھایا
شمر- کیا تم کو یزید کی بارگاہ سے انعام و اکرام نہیں ملے
ابن زیاد- اور اب یہ جنگ فتح ہو جانے کے بعد تم کو یزید
انعام و اکرام نہ دے گا۔
حضرت حُر- بیشک میں نے یزید کی ملازمت یہ سمجھ کر کی
تھی کہ وہ منافق نہیں۔ دشمن خدا۔ دشمن اسلام۔ دشمن رسولؐ
اور دشمن اہلبیت رسولؐ نہیں ہے۔ مجھے آج کی من کی خبر ہوتی
تو میں ہرگز وہ پیشہ نہ اختیار کرتا جو منافق کے لشکر کی سرداری
[illegible] مسلک کر کے گھیر گھار کر اس جنگل بیابان میں
[illegible] جنگ میں نہ دیتا۔ ہائے میں نے کیا غضب کیا
[illegible] خدا و رسولؐ کی دشمنی کا ثبوت دیا۔ میرا حشر منافقین
کے ساتھ ہوگا۔ میں روز قیامت بانی اسلام کے سامنے کس
منھ سے جاؤں گا۔
شمر- حُر ہوش میں آ۔ وفادار رہ۔ اسی میں عزت ہے
وفا ہے۔ جاہ ہے۔ منصب ہے۔ کسی بات کی کمی نہیں ہے
چین ہے۔ عیش ہے۔ راحت ہے اور دنیا کا سب کچھ ہے
حضرت حُر- بس دنیا ہی کا نا؟
ابن زیاد- خلیفۃ المسلمین کی بغاوت تمہیں بہت مہنگی پڑے گی
حضرت حُر- فرزند رسولؐ کی موافقت میں اسلام ہے اگرچہ [illegible]

آخرت ہے اور دائمی حسرت ہے۔
شمر- نادان ہے نا سمجھ ہے حسینؑ کی موافقت میں موت
ہے اور بُری طرح سے موت ہے۔
ابن زیاد- کیا خبط ہے۔ کیا سودا ہے۔ ہوش میں آ
جانِ عزیز کو ضائع نہ کر۔ کی کرائی محنت برباد نہ کر تو نے
یزید کے لیے زرین خدمتیں انجام دی ہیں اس طرح انعام
بھی گراں بہا ملیں گے اور ضرور ملیں گے میں تجھے یقین دلاتا
ہوں۔
حضرت حُر- کفن سر سے باندھ چکا۔ بس مجھے آخری بات
پوچھنا ہے؟
شمر- وہ کیا۔
حضرت حُر- کیا تم لوگ فرزند رسولؐ کے خون میں ضرور ہاتھ
رنگین کرو گے۔
شمر- اسی لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے ہاتھ سے
بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔
حضرت حُر- اچھا تو پھر میرا استعفیٰ یہ کہکر حضرت حُر
رخصت ہوئے۔ لشکر حسینی کی جانب گھوڑا دوڑاتے ہوئے
پہونچے۔ جب لشکر قریب آگیا۔ اپنے گھوڑے سے اترے
اپنے دونوں ہاتھ رومال سے باندھ کر قیدی گنہگار کی
صورت میں سر جھکائے فرزند رسول کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور قدموں پہ گر کر اذن و دعا کے طلبگار ہوئے بہزار
منت لڑنے کی اجازت لے کر میدان کارزار میں آئے
جام شہادت نوش فرما کر دنیا کے لیے چند بہترین سبق آموز
عملی مثالیں قائم کر گئے۔
(۱) منتشی نا سمجھ انسان کی صحبت میں دھوکے سے رہتے
ہوئے جس وقت بھی اپنی غلط راہ کا علم ہو جائے اسی وقت
اس سے علٰحدگی اختیار کرنا بہادروں کا کام ہے۔
زمانہ کی رفتار کے ساتھ بدی کی مد میں معصیت
کی [illegible] کے [illegible] بے تکلفی کی طرح بہتے چلے جانا [illegible]

طبیعتوں اور بزدلوں کا کام ہے۔

(۲) بدکرداری کی زندگی سے پرہول مصائب میں گرفتار ہو کر مرنا دوراندیشی ہے۔

(۳) وقتی راحت و آرام چند روزہ عیش و طرب کو دائمی حسرت کی قربانگاہ پر نثار کرنے ہی سے عارضی زندگی استمراری حیات سے مبدل ہو سکتی ہے۔

(۴) بدکرداروں کے ساتھ بدی کے معاملات میں وفاداری کرنا بدترین معصیت ہے۔

(۵) مبارک وہ ہے جو اپنی غلطی کا احساس کرے اور اس سے زیادہ مبارک وہ ہے جو اس غلطی کی تلافی جہاں تک جلد ہو سکے کر دے۔

فوج یزید سے جدا ہو کر لشکر حسینی میں داخل ہونے سے حضرت حُر کی جسمانی زندگی جسے حیات مستعار کہتے ہیں ضرور کم ہوئی اور موت جلدتر آئی۔ لیکن حضرت حُر نے رہتی دنیا کے لیے یہ سبق قائم کر دیا کہ بہترین موت کس طرح قبول کی جا سکتی ہے اور محبت اہلبیت کس طرح ایک آن میں تمام گناہوں کو خاکستر کر کے پست ترین انسان کو بلندترین منازل روحانی پر پہنچا سکتی ہے۔

حضرت حُر معرکہ کربلا کا وہ پہلا مجاہد ہے جو دنیا کے بہادروں پر سبقت لے گیا ان کی ایسی دوسری مثال پیش کرنے میں تاریخ عالم عاجز نظر آتی ہے۔ شکست خوردہ افواج سے بھاگ کر فتح پانے والی فوجوں میں شامل ہونے کا دنیا میں ہمیشہ سے رواج ہو رہا ہے۔ یہ بالکل قرین قیاس تھا کہ حسین مظلوم کی مختصر جماعت یزید کی ٹڈی دل فوجوں سے مرعوب ہو کر [illegible] حسین مظلوم کو تنہا چھوڑ کر فوج یزید میں شامل ہو جاتی لیکن فرزند رسول ہی دنیا کا وہ زبردست روحانی فاتح ہے جو اپنی مقناطیسی روحانیت کے اثرات سے دشمن کی فوجوں کے بہترین شجاع کو مسخر کرتا ہے یقیناً سید الشہداء نے فوج یزید

ماتم

از ملئے دانش کارگر۔ احسان دانش

حسین پر گریہ کے متعلق مسلمانوں میں آجکل دو نظریے ہیں جناب احسان بن دانش نے ایک نظریہ کی حمایت کی ہے، دوسرے نظریہ کی حمایت مولانا عادل صاحب صدر الافاضل نے کی ہے دوسرا نظریہ عام شیعہ جماعت کا ہے۔ (ادارہ)

شوق ماتم خوب شے ہے کارِ ماتم کچھ نہیں
سرد پڑ جاتے ہیں اس سے سینۂ [illegible]
آنسوؤں کیواسطے آنکھوں کے دروازے نہ کھول
دل میں کیوں جلنے نہیں دیتا محبت کا چراغ

جواب ماتم

مولانا سید محمد عادل صاحب صدر الافاضل
سلطان المدارس لکھنؤ

نالہ و شیون سے کیوں ہو غم نصیبوں کو گریز
اس نوا سنجی سے درد دل کا ملتا ہے سراغ
کم نہیں ہے حدت قطرہائے اشک گرم
لاکھ وہ پتھر ہو پھر بھی دل میں پڑ جاتے ہیں داغ
سینۂ تاریک میں آہوں کے شعلوں کی چمک
دل میں کر دیتی ہے روشن خود محبت کے چراغ

حصولِ مقصد یا احتجاج

جناب ذاکر حسین صاحب فاروقی بی۔ اے

موجودہ زمانہ تحقیق کا ہے لہذا ہم کو چاہیے کہ ہم اپنے خیالات، اپنے پرانے نظریات اور اپنے سابق اصولوں کو تحقیق کی دوربین نگاہوں سے دیکھیں، اور اس تصور کو دل سے محو کر دیں کہ جو کچھ ہمارے اسلاف سے ہم کو وراثتہً ملا ہے وہی صحیح اور کافی ہے اور ہم کو مزید تحقیق یا ان نظریات کی تنقید کی ضرورت نہیں ہے

آج وہ عہد ہے جب ہمارے مذہب پر چاروں طرف سے اعتراضات کی بھرمار کی جا رہی ہے اور ہم ہیں کہ خوابِ غفلت میں مدہوش، دنیا و مافیہا سے غافل، زخم پر زخم کھا رہے ہیں۔ مگر نہ تو جوابی کارروائی کرتے ہیں اور نہ اپنے تحفظ کے لیے کوئی موثر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے پاس لے دے کے جو لٹریچر ہے وہ مسئلہ امامت و تقیہ ... اور جوازِ تعزیہ داری کا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں؛ حالانکہ دنیا اب کافی آگے نکل چکی ہے اب ہم پر اور ہمارے اصولوں پر جو اعتراضات ہو رہے ہیں وہ نئے طرز کے ہیں، ہم کو جو جواب دینا ہیں وہ بھی صحیحین اور مشکوٰۃ سے نہیں بلکہ عقل کی کتاب سے دینا ہیں لہذا وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنی اندرونی اصلاح کریں اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں اپنے مذہب کو زندہ رکھنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

آج جب ہم سے کہا جاتا ہے کہ کربلا میں یزید کی فتح ہوئی تو ہم آتش زیرپا ہو جاتے ہیں اور فوراً پکار اٹھتے ہیں کہ

"نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ فتح امام حسین علیہ السلام کی ہوئی امام کو اخلاقی اور روحانی فتح حاصل ہوئی، ان کا مقصد پورا ہو گیا، وہ جس مبارک غرض سے میدان میں اترے تھے وہ پوری ہو گئی، اسلام زندہ رہا اور کفر و نفاق کو دائمی شکست ہو گئی، یزید کی تمام کوششوں پر پانی پھر گیا وہ اسلام کو نہ مٹا سکا، بدعات کو مروج نہ کر سکا اور اپنے پیغام کو دنیا سے قبول کرانے میں ناکام رہا

بتلائیے، کیا ہمیشہ ہمارا یہی جواب نہیں ہوتا! کیا ہر محرم منبر میں یہی جملے پھیر پھیر کر نہیں استعمال کئے جاتے، کیا حسینی کامیابی کا ترانہ نہیں بلند کیا جاتا!

اگر یہ صحیح ہے کہ امام اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ایمان زندہ ہوا کفر مٹا، یزیدیت کی جگہ حسینیت پھیلی تو پھر ذرا دیر تعصب سے علیحدہ رہ کر یہ بتلائیے کہ آپ محفلِ غم کیوں منعقد کرتے ہیں؟

جنگِ موتہ میں حضرت جعفر طیار، جنگِ احد میں حضرت حمزہ جنگِ صفین میں عمار یاسر قتل ہوئے پھر بھی ان لڑائیوں کے فتح ہونے پر آپ مسرور ہوتے ہیں مگر کربلا کی فتح پر آپ کے آنسو چھلکتے ہیں کیونکہ وہ بھی خالص مذہبی لڑائیاں تھیں ہمیں بھی آپ کے رہبر شہید ہوئے پھر ان پر مسرت کے تبسم اور کربلا پر غم سے آنسو کس لئے؟

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ سوادِ اعظم کے پروپیگنڈہ کے اثر اتنے ہم میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ امام کامیاب ہوئے اور ان کا مقصدِ شہادت پورا ہو گیا، اس خیال کی تہ سے سوادِ اعظم کا مقصد یہ تھا کہ ہم کو یہ یقین دلایا جائے کہ امام اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے اس لئے غم کا

محل ہی کہاں ہے؟ ہم کو تو اسلامی فتح کی خوشیاں منانا چاہئیں مسرت کے نغمے بلند کرنا چاہئیں اور کربلا کی یادگار اشکوں کی آب میں نہیں بلکہ تبسم کی موجوں میں منانا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ کفر اور اسلام، روحانیت اور حیوانیت، الٰہیت اور شیطنت کا مقابلہ آفرینش عالم کے روز سے شروع ہوا اور آجتک جاری ہے، انبیاء اصفیاء اتقیا اور اوصیاء کی زندگیاں شیطانی قوتوں کے خلاف ہمیشہ مصروف رزم رہی ہیں۔ حق و باطل کا جو معرکہ آدم کے وقت سے آغاز ہوا تھا وہ ابھی تک فیصلہ کن طریقہ سے ختم نہیں ہوا ہے

ہر ابراہیم کو ایک نمرود کا، ہر موسیٰ کو فرعون کا اور ہر محمد کو ایک ابولہب کا مقابلہ کرنا پڑا ہے

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ فتح۔ ظاہری فتح۔ ہمیشہ اللہ والوں ہی کو ہوئی ہے، بلکہ تاریخ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ انبیاء اور ائمہ کی اکثریت کو ہمیشہ مصائب ہی کا شکار رہنا پڑا اور بہت ہی کم لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کی

حسین اور یزید کا معرکہ بھی بالکل اسی قسم کا تھا!

اب سوال یہ ہے کہ انبیاء اور اوصیاء طاغوتی طاقتوں سے ٹکرانے کے بعد کامیاب ہوئے یا ناکام؟ ان کا مقصد جنگ پورا ہوا یا نہیں؟

یہ سمجھنے کے لئے ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ انبیاء، اوصیاء اور آئمہ کی جد و جہد کا مقصد کیا تھا؟

دنیا جانتی ہے کہ ان کی جد و جہد کا مقصد کفر و نفاق کا استیصال، اخلاق ذمیمہ کی بربادی، روحانیت کی تکمیل الوہی حکومت کا قیام، انسانیت کی سربلندی، شہوات نفس کا ... مکر و دغل، دروغ بافی و فریب کاری، بدکاری و شراب نوشی، کا دفعیہ کرنا تھا۔

پھر کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی پیغمبر ان مقاصد کی تکمیل میں کامیاب ہوا؟ کیا آپ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ کسی عہد میں بھی برائیوں اور شیطانی امور کو معدوم کیا جا سکا؟ کیا آپ اس کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ عہد رسالت میں بھی اس مقصد اور نظریہ کے حصول میں کامیاب ہوا؟

دنیا جانتی ہے کہ پیغمبر اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوا مگر اس ناکامی کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ ان کی صداقت، ان کی عظمت اور ان کی تبلیغ پر حرف گیری ممکن ہے۔ انھوں نے کوشش کی، وہ طاغوتی طاقت سے ٹکرائے، انھوں نے انسانیت کے ارتقاع پر اپنی پوری طاقت صرف کر دی —؟ مگر شیطان اور شیطنت دونوں آجتک زندہ ہیں،

کہا جاتا ہے کہ اسلام یزید کے عہد میں ختم ہو چکا تھا مگر کربلا کی جنگ نے اس کو زندہ کر دیا مگر کیا آج کے مسلمان یزید کے عہد کے مسلمانوں سے بہتر ہیں؟ کیا آج مسلمان شراب نہیں پیتے؟ کیا آج مسلمانوں میں بداخلاقیاں موجود نہیں؟ کیا آج کے مسلمان خالص محمدی اصول پر قائم ہیں، ماننا پڑے گا کہ نہیں۔ بلکہ آج بھی مسلمان اسی حالت میں ہیں جس میں یزید کے زمانہ میں تھے۔

اگر آج چند مومن نظر آتے ہیں تو یہ کوئی خاص کامیابی نہیں اس لئے کہ "چند مومن" تو یزیدی دور میں بھی موجود تھے؟

ایک اور سوال —

اگر حسینی مشن کامیاب ہو گیا تھا، اگر حقیقی اسلام زندہ ہو گیا تھا، اگر یزیدیت (جس کا دوسرا نام گناہ اور نفس پرستی ہے) ختم ہو گئی تھی، اگر نفس انسانی کی مکمل اصلاح ہو گئی تھی تو پھر دوسرے ائمہ کے لئے کیا فریضہ باقی تھا؟ انکی جد و جہد کس لئے تھی؟

کیا وہ بقائے اسلام کے لئے جد و جہد نہیں کرتے رہے؟ کیا امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے لے کر گیارھویں امام علیہ السلام تک، تمام آئمہ علیہم السلام

اسلام کو زندہ کرنے کے لئے مجاہدہ نہیں کرتے رہے؟ اگر یہ ائمہ بھی تا دا احیائے دین محمدی کی خاطر جد وجہد کرتے رہے تو یہ کہنا غلط ہے کہ معرکہ کربلا میں اسلام، اہلبیت، دین محمدی اور حسینیت کا مشن تکمیل پا گیا۔

اب آپ ملاحظہ کیجئے کہ وہ یزیدیت کیا تھی جس کے خلاف حسین علیہ السلام نے بغاوت کی تھی اور جس کے خلاف جنگ کرتے ہوئے آپ نے شہادت قبول کی تھی۔

جب ہم غائرانہ "نگاہ" ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کربلا والوں کی جد وجہد حسب ذیل چیزوں پر مشتمل تھی:۔

(۱) علیا پر ظلم ڈھانے والی ملوکیت کے خلاف بغاوت

(۲) حکومت دے اور روپیہ کے لالچ میں آ کر انسانیت سوز حرکات کرنے والے سرمایہ داروں کے خلاف بغاوت

(۳) جمہوریت لیکر حریت مذہبی ٹھکرائے جانے کے اصولوں کے خلاف بغاوت

(۴) ظلم و تشدد کے ذریعہ حریت افکار و عمل کے کچلے جانے کے خلاف بغاوت

(۵) "اکثریت راج" کے غلط نظریہ کے خلاف بغاوت

(۶) کیا بابا ہم حق پر نہیں حضرت علی اکبر کا قول" اور "موت مجھے عسل سے زیادہ شیریں ہے" (حضرت قاسم بن حسین کا ارشاد) کہہ کر جنگ کے تمام مسلمہ اصولوں کے خلاف بغاوت

(۷) جون غلام اور ہاشمی نوجوانوں کے لہو ملا کر نسلی امتیازات کے خلاف بغاوت

(۸) جان، مال اور اولاد کو قربان کر کے غلط "ذاتی محبت" کے جال کے خلاف بغاوت

(۹) دربار یزید و ابن زیاد میں خوف، بلا جھجک حق پرستانہ گفتگو کر کے رعب شاہی کے خلاف بغاوت

(۱۰) چاپلوسی، تملق اور بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملانے کی عادت کے خلاف بغاوت

(۱۱) جیل جا کر مروجہ اصول "عزت و عافیت" کے خلاف بغاوت

(۱۲) زندگی کے غلط اصولوں کے خلاف بغاوت

اب بتلائیے کہ ان میں کون سی چیز ایسی ہے جو مٹ گئی یا واقعہ کربلا کے بعد باقی نہیں رہی؟

میں یہ ماننے پر آمادہ ہوں کہ یزید، ابن زیاد، شمر اور عمر عاص واقعہ کربلا کے بعد ہی ختم ہو گئے، ان کے خلاف بغاوتیں ہوئیں اور ان کی طاقت ختم ہو گئی اور اگر آپ حسینی کامیابی اسی کو قرار دیں تو میں تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں مگر یزید اور ابن زیاد کی بربادی ہی اگر امام حسین کا مقصود تھی تو معرکہ کربلا کو اصولی جنگ نہیں کہہ سکتے بلکہ معرکہ ذاتی عناد کا نتیجہ کہلائے گا اور میں اس چیز کو تسلیم کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوں۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کو کسی سے بغض نہ تھا، ان کے پاک دل میں کسی انسان کے خلاف بغض و عناد پیدا ہی نہیں ہو سکتا، وہ یزید یا ابن زیاد سے نہیں لڑے بلکہ یزیدیت سے لڑے، گناہوں اور آلودگیوں کے خلاف صف آرا ہوئے، شیطنت اور طاغوتیت سے مصروف رزم ہوئے۔ ان کی منزل نظر ذات تک محدود نہ تھی بلکہ اصول کی گہرائیوں تک تھی اس لئے ان کا مقابلہ یزید کی ذات سے نہ تھا جس کو انھوں نے مٹا دیا، بلکہ یزیدیت سے تھا جس کو انھوں نے "مجروح" کر ڈالا۔

کربلا میں یزیدیت ختم نہیں ہوئی مگر "مجروح" ضرور ہو گئی۔ بری طرح مجروح، پارہ پارہ اور ذلیل! معرکہ کربلا حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ نہیں تھا، یہ معرکہ تو حسین کے فرزند مہدی کے لئے مخصوص ہے جو انشاءاللہ حق کا آخری حربہ بن کر کفر و نفاق کا ہمیشہ ہمیشہ کے

کے لئے خاتمہ کر دیں گے

کربلا کا معرکہ ایک احتجاج تھا، ایک عظیم اور پرجوش احتجاج، حق کی اعلیٰ ترین خونین جدوجہد، اسلام کا نمایاں دیرانگندہ نقاب مجاہدہ، جس نے دنیا کو یہ دکھلا دیا کہ برا کیا ہے اور بھلا کیا، باطل کی قوت کتنی ہے اور حق کا زور کتنا، نفاق کیا چیز ہے اور اسلام کیا شے ہے؟

کربلا حق کی آخری فتح نہ تھی بلکہ حق کا سب سے اونچا احتجاج تھا۔ کربلا میں حق کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوا مگر دنیا کو معلوم ہو گیا کہ حق کا مقصد کیا ہے؟ اسلام منزل نہیں پہونچا مگر اس کی منزل ضرور متعین ہو گئی اور وہ دنیا جو اسلام کے حقیقی مقصد سے ناواقف تھی، وہ اس کے حقیقی مشن سے آگاہ ہو گئی۔

کربلا میں یزید نے فتح ضرور پائی مگر وہ حسینی احتجاج کے سیلاب کے سامنے ٹھہرنے کی طاقت نہ رکھتا تھا اس لئے ایک دن اس کو فنا کا منھ دیکھنا پڑا

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یزید جیتا مگر یزیدیت نہیں جیت سکی حسین کے مبارک ہونٹ کتنا ہوں کے چہرہ پر سے نقاب ہٹا دی، وہ جھوٹ جو "مصلحت اندیشی" کے نام سے دنیا میں جاری تھا، وہ مکر جسکو "ڈپلومیسی" کہہ کر قابل تعریف گردانا جاتا تھا وہ ظلم جس کو "نظم سلطنت" کا مبارک لقب دیدیا گیا تھا، وہ شراب نوشی جو "رموز مملکت خویش خسروان دانند" کہہ کر نظر انداز کر دی جاتی تھی، وہ امتیازات جن کو "ضرورت وقت" قرار دیکر رائج کیا گیا تھا حسینی قربانی کی وجہ سے اپنے اصلی روپ میں اجاگر ہو گئے اور اور معرکہ کربلا نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر دیا۔

مینائے حیات

(جناب مولانا سید اختر علی صاحب تلہری)

پھر مشکبو ہے گیسوئے لیلائے زندگی — پھر جلوہ ریز ہے رخ سلمائے زندگی
جوش وفا میں روح نئی دوڑنے لگی — پھر نواز پھر ہے مسیحائے زندگی
اوہام باطلہ کی شب تار چھٹ چکی — ضو ریز پھر ہے مہر تجلائے زندگی
ہمیں لب تیاگ سے تعلق نہیں مجھے — سمجھا ہے جب کیا ہے تقاضائے زندگی
گلگونی لباس وفا ہے نگاہ میں — بےقدر اب ہیں اطلس و دیبائے زندگی
پھر ڈھونڈ ھتا ہوں خون شہیداں کا نقش پا — پھر دل میں ہے پھر اسود ائے زندگی
غیر ہے ذات تری مرکز خیال — پھر دل ہے محو مقصد اعلائے زندگی
دنیا لٹا دی اپنی محبت کی راہ میں — سمجھے ہوئے تھا خوب تقاضائے زندگی
اپنی گرہ کشائی دانش سے اے حسین — سلجھا دیا ہے تو نے معمائے زندگی
تو نے بھرا ہے رنگ گلستاں دہر میں — زہرا کے پھول ہے چمن آرائے زندگی
اے سرفروش راہ خدا تیرے خون سے — ہے رشک صد ارم رخ زیبائے زندگی
نغموں سے تیرے زہر ہے اک جوش مستقل — اے عندلیب نغمہ سرائے زندگی
تو نے اسے شباب بنا دے دیا حسین — نکھرا ہوا ہے رنگ زلیخائے زندگی
ہے عزم تیرا مایہ تزئین کائنات — شبیر تو ہے انجمن آرائے زندگی
جب تو ہے خضر راہ تو پھر کیا خطر مجھے — گر ہولناک ہے تو ہو صحرائے زندگی
تو نے ہٹا لئے ہیں جو کانٹے تھے راہ میں — اب برق وش ہوں بادیہ پیمائے زندگی
ٹھکرا کے بیٹھا ہوں میں عالم کی عشرتیں — تو نے دئیے وہ ساغر و مینائے زندگی
سیکھے ہیں میں نے تجھ سے وفا کے طریق و طور — اب زیب دیتا ہے مجھے دعوائے زندگی
اب میرا ہوں اور بزم جہاں کی تجلیاں — تو نے مجھے بتا دیا منشائے زندگی
خورشید در کنار ہوں تیرے سایہ میں — میرے بیاں نہیں شب یلدائے زندگی

نور دل و دماغ ہے مہر مہ رسول
اختر ہے پُر ضیا جری دنیائے زندگی

عزاداری حسینؑ مظلوم فریضۂ جمہوری

جناب بیباکؔ صاحب بالہی ضلع اعظم گڈھ

اگر یہ صحیح ہے کہ دنیا کی اسٹیج پر جتنے راہ نما اور مصلح آئے خواہ کسی مذہب و ملت کے ہوں سب کا مطمح نگاہ یہی رہا کہ بنی نوع انسان صحیح معنوں میں انسانیت کے جوہر سے آراستہ ہو جائے اخلاقی ذمیمہ و انسانی رذیلیت سے دوچار نہ ہو۔ جور وظلم تغلب و تمرد، انکا شیوہ نہ بنے عیش پرستی و ناحق کوشی کے بہیمانہ و وحشیانہ اوصاف سے متصف نہ ہو۔ صلح و آشتی سے رہے۔ ظالموں کے ظلم سے نفرت کرے مظلوموں کی حمایت و ہمدردی کو فریضہ انسانیت سمجھے ہیں۔ رواداری و مساوات کو قائم رکھے تاکہ مفسدوں و بد اخلاقوں کو دنیا میں جگہ نہ ملے تو کہنا پڑے گا کہ حسین علیہ السلام ان مصلحوں اور رہنماؤں میں سب سے آگے نکلے۔ ان کا سالہ ۶۱ھ کا میدان زیبرا کا سنہرا کارنامہ بتائیگا کہ انھوں نے صرف مسلمانوں کی رہنمائی و پیشوائی نہیں کی بلکہ خود مظلومانہ حیثیت سے شہید ہو کر ہر قوم و مذہب کے انسانیت پرستوں پر حق تبلیغ پورا کر دیا اور انہیں دکھا دیا کہ ہمیشہ و ہر زمانہ میں خونریزی ظلم و سفاکی، بے رحمی، بہیمیت و بربریت کی بلا ٹالنے کے لئے ہمدردی، رحم، انصاف رواداری، محبت، اتحاد اور امن و سلامتی کے پھیلانے کے لئے استقلال۔ عزم، ایثار بلند حوصلگی اور قربانی کی ضرورت ہے جو آج یزید مد نہاد کے مقابلہ میں حسینؑ پیش کر رہا ہے۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ عموماً ہر مذہب و ملت کے لوگ خصوصاً مسلمان امام ہمام علیہ السلام کے برسی کے زمانہ میں دل کھول کر حصہ کیوں نہیں لیتے اور ایسی شخصیت رکھنے والی ذات کا ماتم کیوں نہیں کرتے تاکہ دنیا کو معلوم ہوتا رہے کہ حسین علیہ السلام نے دنیا کے تمام انسانیت کش خصائل سے جہاد کیا اور انسانیت کو زندہ کر دیا حسین علیہ السلام کا جہاد انسانی ترقی کا زینہ تھا یا یوں کہیے کہ انسان کی اجتماعی حیات کی آخری کڑی تھی جس کے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ قومی و ملی قیود سے آزاد ہو کر اس وقت کے بادشاہ یزید کے چال چلن کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ امیر معاویہ کا اکلوتا فرزند یزید شراب خوار۔ زانی۔ ظالم۔ سفاک۔ جفا پسند، باطل نواز انسانیت سوز حیوانیت ساز بدخو۔ بدکردار اور فاسق و فاجر تھا۔ کتے پالتا تھا۔ بندر نچاتا تھا کسی حسین صورت کو دیکھکر اس کا دل بے تاب ہو جاتا تھا اور اس حالت میں..... تمیز اٹھ جاتی تھی۔ وہ بے گناہ انسانوں کو قتل کر کے خوش ہوتا تھا پاک لوگوں کے خون سے ہولی کھیلتا تھا مادی قوت کے نشہ میں ایسا اندھا ہو گیا تھا کہ ان الفاظ کے ساتھ لوگوں بیعت لیتا تھا کہ "یزید چاہے ہم کو قتل غلاموں کے سر بازار فروخت کرے یا آزاد رکھے۔ خدا کی عبادت کرنے کا حکم دے یا اس سے روک دے" (رسالہ تکمیل الایمان مصنفہ مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی) اور اگر کوئی خدا کا بندہ اس کے خلاف آواز بلند کرتا تھا تو وہ قتل کر دیا جاتا تھا۔

پس ایسے بادشاہ کے مقابلہ میں حسین علیہ السلام کا تنہا آ جانا دنیا کو حسن نیت عمل و آزادی ضمیر کا

بنتی بڑھاتا ہے یا نہیں اگر بڑھاتا ہے تو آپ بھی میرے ساتھ کہہ دیجئے کہ"

"حسینؑ محبت و غیرت کی بقا کے لئے لڑے۔ سرمایہ داری دنبوں کے غرور کو فنا کرنے کے لئے لڑے۔ وحشت و بربریت کے مٹانے کے لئے لڑے۔ بدکاری و بداطواری کے دور کرنے کے لئے لڑے انسانیت و تہذیب کے بچانے کے لئے لڑے۔ صداقت و نیکی کے قیام کے لئے لڑے۔ مظلوموں اور بیکسوں کی حمایت کے لئے لڑے۔ ہمدردی و مساوات کے پھیلانے کے لئے لڑے۔ بے زبانوں کی حرمت و عزت بچانے کے لئے لڑے۔ حق و انصاف کی بقا کے لئے لڑے ظلم و تعدی کے دور کرنے کے لئے لڑے، اخلاق و تہذیب کے لئے لڑے۔ فسق و فجور کو مٹانے کے لئے لڑے۔ دینداری و خدا پرستی کے قائم رہنے کے لئے لڑے" اور اس وقت لڑے جب کہ بنی امیہ کی دشمنی بنی ہاشم سے صاف صاف ظاہر ہو چکی۔ منافقین نے اسلام کی بیخ کنی کے لئے کمریں کس کر عملی مظاہرات شروع کر دیئے تھے اور امیر معاویہ کی رگوں میں سفیان ایسے باپ و ہندہ جگر خوارہ ایسی ماں کا خون نہایت سرعت کے ساتھ دوڑ کر اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ لوکانہ تخویف و ترہیب کے ساتھ ساتھ سنہری و روپہلی تحریص و ترغیب سے عام رعایا کی شورش کے دبانے کا استحکام مکمل ہو گیا تھا۔ نام کی خلافت بھی ملوکیت و شہنشاہیت کے رنگ میں اچھی طرح ڈوب چکی تھی سردار بنی ہاشم رسول مقبول صلعم کا پیارا نواسہ امام معصوم کے نام سے پکارا جا چکا تھا امیر معاویہ نے بہ لطائف الحیل عام رعایا سے خلاف معاہدہ اپنی زندگی ہی میں یزید کی جانشینی کے لئے بیعت حاصل کر لی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ یزید آزاد منش دبے راہ بیٹا اب بنی ہاشم کی عداوت کا سہارا لیکر اخلاق سوز ظلم کی سر بفلک عمارت کھڑی کر دے گا اور اپنے ہولناک مظالم کی دہشت عوام کے دلوں پر ایسی بٹھلا دے گا کہ لوگ رسول مقبول محمد مصطفیٰ صلعم کی اس تعلیم کو بھول جائیں گے جس نے عرب کے انسانوں میں آزادی و مساوات کی ایک خاص روح پھونکی اور جبر و تشدد کو ناروا ٹھہرایا۔ معاد و معاش کا مسئلہ سمجھایا خدا پرستی و رضا جوئی کا رستہ دکھا کر جنت کی بشارت دی و دوزخ کے عذاب سے ڈرایا

چنانچہ یزید جب معاویہ کی موت کے بعد اس کیل کانٹے سے درست کی ہوئی سلطنت کا خود مختار حاکم بنا اس نے تخت پر بیٹھتے ہی رجب ۶۰ھ مطابق اپریل ۶۸۰ء میں حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ میرے لئے حسینؑ سے بیعت طلب کر اگر انکار کریں تو قتل کر اور سر ان کا میرے پاس بھیج دے (ارشاد شیخ مفید و مقتل ابو مخنف) تاکہ عرب کی تمام رعایا کے دلوں سے (جو کہ مسلمان تھی) سرداران بنی ہاشم (علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ) کی عزت و حرمت بالکل جاتی رہے اور رعایا "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ" کی بیت کبھی زبان پر نہ لائے اور نہ رسول کی اس آخری وصیت کو دہرائے۔

پس حسینی سیاست نے نہ عزت و حرمت کا مٹنا گوارا کیا۔ نہ بیعت کر کے دین محمدی کی جگہ دین یزیدی کی ترویج مناسب سمجھی صاف انکار کر دیا۔

پھر کیا تھا اس نے اپنے معتمد کتوں اور خونخوار فتنہ پرداز بھیڑیوں کے ذریعہ وہ صورتیں پیدا کر دیں کہ امام نانا کے مزار۔ ماں کی لحد۔ بھائی کی قبر سے بیکسی کی ساتھ رخصت ہوئے اور عورتوں و ننھے ننھے بچوں کو لے کر مکہ آئے۔ اور مکہ کو مامون نہ پاکر عرب کی لو اور تپش کا مقابلہ کرتے راستہ کی صعوبتیں اٹھاتے منزل بمنزل ٹھہرتے ہوئے کربلا پہنچے۔ جہاں پہنچتے ہی یزیدی درندوں نے فرزند رسول کو گھیر لیا۔ خیمہ نہر سے اٹھوا دیئے گئے۔ پانی بند کر دیا گیا۔ مددگاروں کے آنے کی راہیں

پر پھر سے بٹھلا دیے گئے اور وہی بیعت کا سوال مختلف
رنگوں سے کیا جانے لگا جس کے پردہ میں استیصال دین محمدی
کی ایک پوری تاریخ چھپی ہوئی تھی اور اخلاق سوزی
کی چنگاریاں نہاں تھیں۔

اب یہاں پہونچ کر یہ آپ کی معرفت بینی تھی جو بلند نظری
تھی۔ روحانیت تھی۔ سیاست تھی۔ بلند حوصلگی تھی
راہنمائی تھی اور جو کچھ آغوش رسالت میں پرورش پا کر
سیکھا تھا اس کا اثر تھا۔ خاتون جنت فاطمہ شفیعہ
روز جزا جیسی ماں کے شیر کی تاثیر تھی۔ علیؑ سے جیسے
اشجع العرب باپ کے خون کی رگوں میں تگ و دو تھی
کہ شام و روم کے ٹڈی دل فوجوں کے سامنے جن کی تعداد
چھ لاکھ تک بتائی گئی ہے ایک ایسے لشکر کے آراستہ
کرنے کی فکر میں لگ گئے جیسا کہ آج تک دنیا میں کسی حق کے
فدائی اور مصلح نے آراستہ نہیں کیا تھا اور نہ کرنے
کی امید ہے۔

یعنی میمنہ پر صبر و استقلال، ضبط و تحمل و برداشت
کو کیا۔ میسرہ پر ایثار، قربانی، فرض شناسی، رحم و
کرم کو رکھا آگے اعوان و انصار و عزیز و اقارب کے
داغ فراق کو بھیجا پیچھے بہنوں کے کھلے ہوئے سر اور
علیل فرزند کی اسیری کو جگہ دی جن کے جلو میں مسند
رسول کے جلتے ہوئے شعلے اور یتیموں و بیواؤں کی
آہ و زاری تھی اور آپ بنفس نفیس تین روز کی بھوک
و پیاس کو چھپائے تمازت آفتاب کی تعب کو برداشت
کرتے ہوئے بے خوف و ہراس راضی برضا ہو کر قلب
لشکر میں کھڑے ہو گئے تا کہ حق کو باطل سے جدا
کر دیں نور و نار کا فرق ظاہر کر دیں اور دنیا کو
دکھلا دیں کہ قلت کی جنگ کثرت کے ساتھ اس نظام سے
لڑی جاتی ہے جب جا کر حق و صداقت کی جیت
ہوتی ہے۔ دین و ایمان بچتا ہے۔ تہذیب و شائستگی
پھیلتی ہے اور حریت کا آوازہ بلند ہوتا ہے
جیسا کہ چند گھنٹوں کے بعد ہوا کہ باطل نے حق کے
قدموں پر ہمیشہ کے لئے سر رکھ دیا اور قد قتل الحسین
بکربلا کے ساتھ۔ حق زندہ باد، حسینیت پائندہ باد کے
نعرے بلند ہو گئے اور دنیا ایسی چونکی کہ آج بھی انہیں
کے نقش قدم پر عمل کرنے میں فلاح دارین محسوس کرتی ہے
چنانچہ دیکھئے

عالیجناب سی۔ فلپس پروفیسر آگرہ کالج ۳۵ء
کے اپنے ایک طویل مضمون میں جو "پیام اتحاد و رواداری"
کی سرخی سے لکھا گیا ہے کہ "حسینؑ وہ ہیں جنہوں نے چند
افراد کے ساتھ ایک بہت بڑے لشکر جرار کا مقابلہ کیا
اور حق و صداقت کے لئے اپنی جان قربان کی"

عالیجناب۔ ایس۔ سی۔ سین پرنسپل اپنی رائے کا اظہار
یوں کرتے ہیں کہ "اس میں شبہ نہیں کہ حضرت امام حسینؑ
بلند درجہ کے ہیرو تھے۔ جنگ میں بہادر رائے قائم کرنے
میں دانشمند ایک معلم کی طرح سے انسان کے دلوں پر نقش قائم
کرنے والے۔ دیانتدار بہادر رحم دل اور خدا سے
ڈرنے والے ہیرو تھے۔ بلند پایہ انسان تھے ان کی
زندگی ایک بہادرانہ زندگی تھی جس کا خاتمہ حق و صداقت
کی راہ میں ایک عجیب طرح کی شہادت پر ہوا (پھر کچھ دور
آگے بڑھ کر لکھتے ہیں)" سانحہ کربلا نے انسانی تاریخ پر
ایک پائیدار نقش قائم کر دیا اسلامی تاریخ و تہذیب پر
ان کا ایک گہرا اثر پڑا" (پھر آگے لکھتے ہیں)

" واقعہ یہ ہے کہ امام حسینؑ اور ان کے بعد آنے والے
اماموں نے مذہب اور فلسفہ کے خزانوں میں بہت بڑا
اضافہ کیا اور مغرب و مشرق کے رہنے والے دونوں انسانوں
کی تہذیب پر بہت گہرا اثر ڈالا"

مہاتما گاندھی جی شہادت حسینؑ کی عظیم الشان نوعیت
کا اعتراف ۸ ر اپریل ۱۹۳۴ء میں یوں کرتے ہیں کہ "میں نے

کربلا کی المناک داستان اس وقت پڑھی جبکہ میں نوجوان
ہی تھا اس نے مجھکو دم بخود و مسحور کر دیا"

پنڈت جواہر لال نہرو صاحب اپنے ۱۵ر مارچ
سنہ ۱۹۳۶ء کے مختصر مضمون میں حسینی قربانی کی بے نظیر عظمت
کا اعتراف فرماتے ہوئے ایسے سانحۂ عظمیٰ پر اظہار غم
کرنا اور اس غم سے جذبۂ کامرانی کی تربیت ہونا مطابق
فطرت بتاتے ہیں

پرنسپل پیٹر اسکوائر لکھتے ہیں کہ" امام حسین کی تاریخی
حیثیت ہم پر ایک بار اور یہ امر ظاہر کرتی ہے کہ کوئی
نہ کوئی خدائی آواز موجود ہے جس کے مطابق اس ملک
کے افراد اور ہر قوم کی رہبری ہوتی رہتی ہے اور اس کا
ان پر اثر پڑتا رہتا ہے۔

پریم چند آنجہانی کی رائے ہے" معرکہ کربلا دنیا کی تاریخ
میں پہلی آواز ہے اور شاید آخری بھی جو مظلوموں کی
حمایت میں بلند ہوئی اور جس کی صدا آج تک فضائے
عالم میں گونج رہی ہے۔ حسین کو خلافت کی محبت کوفہ نہیں
لائی تھی نہ وہ جنگ کے ارادے سے آئے تھے اگر انہیں
یزید سے جنگ کرنی ہوتی تو وہ لشکر لے آتے۔ نہیں حکمرانی
اور ملک داری کی ہوس نہ ان کو تھی نہ ان کے نفس عالی
کو ڈانواڈول کر سکتی تھی وہ کوفیوں کی دعوت پر محض امر حق
کی دستگیری کے لئے آئے"

پس معلوم ہوا کہ عالمگیر امن کا سبق حسینی مشن کے دامن
میں ہے، حریت و سرفروشی کی تعلیم اس کی گود میں
ہے، قومی ترقی کے اسباب اس کے پاس موجود ہیں اور
اتفاق و اتحاد کا درس دینے کو تیار ہے، رحم و کرم کا
راستہ بتانے کو آمادہ ہے حق و صداقت کا راستہ
دکھا رہا ہے، ظلم و استبداد سے لڑنے کا طریقہ بتلا رہا ہے
اخلاق حسنہ کی طرف کھینچکر ہمہ تن دیکھے جاتا ہے علم
و جہل کے فرق کو سمجھا دیتا ہے۔ حق و باطل کو جدا جدا دیتا

پھر کیوں نہیں دنیا حسین علیہ السلام کی مدح کرے گی اور
ان کے نام کا نعرہ لگائے گی۔

شمع امامت کے پروانے

(ملک کے مشہور فسانہ نویس مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی)

سنہ ۶۰ ہجری اپنی زندگی کی آخری سانس ختم کرنے میں مصروف تھا۔ معاویہ بن ابوسفیان کی ہلاکت کو کئی مہینے گزر چکے تھے اور اسلام کی عنان حکومت یزید سے فاسق و فاجر بادشاہ کے ناپاک ہاتھوں میں آچکی تھی۔ زمانہ انتہائی پرآشوب تھا، خدا کے مخلص مندوں پر زمین و آسمان کا وسیع رقبہ تنگ تر ہو چکا تھا۔ حق کی آواز بلند کرنے والے یا تو زندانوں کی چہار دیواری میں طوق و سلاسل کی سختیاں برداشت کرنے میں مشغول تھے یا شمشیر ستم سے ہلاک ہو ہو کر جلد آشیان ہو چکے تھے اور شام و عراق کا ذرہ ذرہ اُن کے بے گناہ خون کی آئینہ داری کر رہا تھا؟

کوفہ کی فضا نسبتہً زیادہ خطرناک تھی۔ امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے یمن قدم نے اس نفاق انگیز بستی میں بیداری کی تڑپ پیدا کر دی تھی اگرچہ امیر شام کی بے انتہا کد و کاوش اور محبان اہلبیت کی جبر یہ خونریزی نے عراقی عربوں کو مرعوب و مغلوب کر کے حق کوش ہونے کے بدلے حق پوش بنا دیا تھا سیم و زر کی سنہری روپہلی دھوپ چھاؤں نے اُن کے دیدہ و دل کو بند کر کے مادہ پرستی کی پیچ در پیچ بھول بھلیاں میں ہمیشہ کے لئے گم کر دیا تھا پھر بھی حق و صداقت کے راستے پر جان و مال نثار کر دینے والوں کا فقدان نہ تھا۔ اسی کوفہ کے گوشوں میں ایمان کی شمع جلانے والے دیکے دبکائے موجود تھے۔ دنیا اپنے ہی ازلی سبق بڑھائے ہوئے سبق کو فراموش کر چکی تھی۔ عربی بستیوں میں "لات و ہبل" کے عوض نفس پرستی جاری ہو چکی تھی اور خدا کی عبادت محض دکھاوے کا ڈھکوسلا بن کر رہ گئی تھی مگر وہ لوگ جنھوں نے مصحف ناطق سے فیض پایا تھا۔ کفر و نفاق کی تاریکیوں سے دور، دور اُن منور ایام کے منتظر تھے جب بانیٔ اسلام کے باقیات الصالحات سے کوئی چراغ ہدایت لے کر اٹھے اور فضائے عالم کو ضیائے اسلام سے جگمگا دے۔

یہی زمانہ تھا کہ مسلم بن عقیل کوفیوں کی دعوت پر تشریف لائے اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کی عزت حاصل کی لیکن ابن زیاد کے آتے ہی وہ اپنی عہد بھول بھال کر کنارہ کش ہو گئے اور مبشر رسالت کا یہ شیر جام شہادت نوش فرما کے بنی امیہ کی بربریت و ظلم آشنائی کی دائمی یادگار چھوڑ گیا۔

یہ عبرت زا واقعہ کچھ ایسے نظم و ترتیب سے عمل پذیر ہوا کہ آل رسول کے ہوا خواہ قلبی خواہش کے باوجود مواسات کا حق پورا کرنے سے محروم رہے؟ اُن کی تلواریں نیام میں زنگ کھایا کیں، رگوں میں شجاعت کا خون دوڑتا رہا۔ نیزوں کی بھالیں سوکھی زبانیں نکالے رہیں مگر نصرت و حمایت کی تمنا پوری نہ ہو سکی۔

یہ داغ تھا جو مومنین کوفہ کے قلوب کو گھن بن کر کھا رہا تھا اور یہ زمانہ تھا جب غم نہائے بے بسی کے ساتھ گھر کے تنگ گوشے میں چھپے ہوئے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

آفتاب زریں دامنوں کو گردان کر خلوت گاہ مغرب میں ساحت گزیں ہو چکا تھا۔ لیلائے شب اپنی سیہ تاب زلفیں بکھرائے

ہوئے فضا میں نمودار ہو چکی تھی، کوفہ کے بازار سنسان اور گلیاں تاریک پڑی تھیں۔ سیاسی انقلابوں نے عوام الناس کو ایسا دہشت ناک کر دیا تھا کہ رات کے پہلے ہی حصہ میں کاروبار بند کر کے گھر کے حجروں میں مقفل ہو گئے تھے۔ اُن کی جگہ رستوں پر آوارہ گشت کتوں کے سوا کوئی آنے جانے والا بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔

ٹھیک یہی خاموش گھڑی تھی کہ آہستگی سے ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بلند بالا عرب سر کے رومال سے منہ ڈھانکے عبا کے لمبے دامنوں میں بدن چھپائے باہر آیا۔ چند لمحہ توقف کر کے گرد و پیش نگاہ کی، ہر جانب سکوت و سناٹے کا تسلط دیکھ کر اطمینان کیا اور پھر احتیاط سے قدم رکھتا ہوا ایک سمت چل نکلا۔

واقعات کی بنا پر کامل یقین تھا کہ اس وقت کوئی عقل کا دشمن جانہار مکان سے نکلنے کی جرأت نہیں کر سکتا، تاہم احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ہوا کی سرسراہٹ پر بھی چونکتا ہوا مڑ کر دیکھنے لگتا تھا۔ وہ بڑھتے بڑھتے اُس محلے کے نکڑ تک جا پہنچا جہاں سے قبیلہ بنی اسد کے مکانات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اُس نے ایک دفعہ پھر متجسسانہ نگاہ دوڑا کر چاروں طرف دیکھا اور کسی کو تعاقب میں نہ پا کر محلے میں داخل ہو گیا۔ چند مکانوں کو چھوڑنے کے بعد عمرو بن خالد الصیداوی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ رات بدستور خاموش تھی مگر آنے والے نے ہمہ تن گوش ہو کر آئندہ روند کی سن گن لی پھر خاطر جمعی ہو جانے پر آہستہ سے دق الباب کیا۔ دستک کی ہلکی آواز مکان کے اندر داخل ہوئی چند پل گزرے تھے کہ بھڑے ہوئے پٹ کھلے اور بوڑھا غلام ہاتھ میں شمعدان اٹھائے ہوئے سامنے آیا۔ دق الباب کرنے والا اپنا منہ چھپائے تھا غلام نے بغور نگاہوں سے پہچاننے کی سعی کی پھر "خوش آمدید" کہتا ہوا راستہ چھوڑ کر ہٹ گیا۔

نووارد مکان میں داخل ہو چکا تو اندر سے دروازہ بند کر دیا گیا۔ گھر کافی کشادہ تھا۔ "سعد! تمہارے آقا عمرو بن خالد الصیداوی کہاں ہیں؟"

"سرداب میں۔" سعد نے ادب آموز عنوان سے جواب دیا "مجھے آپ کے انتظار میں یہاں چھوڑ دیا تھا۔"

"کچھ اور لوگ بھی ہیں۔" نووارد نے پوچھا۔ "یا تنہا ہیں؟"

"جنادہ بن حارث۔" سعد نے جواب دیا۔ "جندب بن حجیر کندی، خولانی اور عائذ بن مجمع بھی موجود ہیں۔"

"خوب! خوب!" کہتا ہوا نووارد بڑھا، سعد نے راہبری کی خدمت انجام دی اور دونوں آگے پیچھے تہ خانے میں جا پہنچے عمرو بن خالد چند دوستوں کے ساتھ منتظر تھے۔ اُسے دیکھتے ہی پذیرائی کو کھڑے ہو گئے اور رسمی صاحب سلامت کے بعد مہمان کو بٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجمع! بڑی راہ دکھائی! مجھے تو اندیشہ ہو چلا تھا کہ خدا نخواستہ کوئی افتاد نہ پڑ گئی ہو!"

"شکر ہے کہ ہنوز خدا کی امان میں ہوں۔" مجمع بن عبد اللہ نے جواب دیا۔ "اس پُر آشوب زمانے میں بے دھڑک آمد و رفت رکھنا خطرے سے خالی نہیں نیز احتیاط کا اقتضا بھی یہی کہتا ہے۔ کہیے کوئی تازہ خبر ہے؟"

"ہاں۔" عمرو بن خالد نے بتایا۔ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ فرزند رسولؐ "حاجر" میں وارد ہو چکے ہیں اُن کے ہمراہ حرم محترم بھی ہیں اور عنقریب کوفہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

"کیا کوئی پیغام موصول ہوا ہے؟" مجمع نے دریافت کیا۔

"ہمارے پاس تو کوئی نامہ نہیں آیا ہے۔" جنادہ نے بیان کیا۔ "مگر آج ہی قیس بن مسہر صیداوی پا بہ زنجیر ہو کر دارالامارہ پہنچے تھے۔ ابن زیاد نے اُن کے قتل کا حکم نافذ کر دیا لیکن انہوں نے قتل ہونے سے پہلے ہی سفارت کا فرض ادا کرتے ہوئے امام کے ورود کی خبر مشتہر کر دی۔"

"پھر آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟" مجمع نے پوچھا۔ "میں نہیں خیال کر سکتا کہ قیامت کے دن ہم لوگوں کا انجام کیا ہوگا!"

ظلم ہے جس میں اس طرح ظلم و جفا کا نشانہ بنے اور ہم سے اُن کی حفاظت نہ ہو سکی! ہانی اور مسلم کو موت کے گھاٹ اتارا گیا ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے دیکھنے کے سوا کچھ نہ کر سکے! اب خامس آل عبا کے واسطے تلواروں کو سان دی جا رہی ہے اور ہم غور و فکر ہی کے گورکھ دھندے میں اُلجھے ہوئے ہیں؟"

"ہمارا عزم پختہ ہو چکا ہے۔ عمرو بن خالد بولے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں امام کی خدمت میں پہنچنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ہم بے وفا ہیں نہ بزدل ہیں۔ تلواروں پر گلے رکھنا، نیزوں کے سامنے سینے پیش کرنا ہمارا محبوب مشغلہ ہے۔ اس لیے یزیدی شمشیریں ہمارا راستہ روکنے سے قطعی قاصر رہیں گی۔"

"ہمیں امام کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے" عبادہ نے سوال کیا۔ "کہاں کا رخ کرنا چاہیے؟ نیز اس کام کے واسطے کیا انتظام ضروری ہے۔"

"انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ عمرو بن خالد نے کہا ہمیں غیر معروف راستوں سے سفر کرنا ہوگا۔ رہبری کے لیے طرماح بن عدی موجود ہیں۔ اگر ہم نے تیز روی سے سفر جاری رکھا تو "عذیب الہجانات" میں حضرت کی قدم بوسی حاصل ہو جائیگی۔"

"ابن زیاد کے مقرر کردہ چوکیداروں سے بچنے کا کیا انتظام؟ عائذ بن مجمع نے دریافت کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے اولاد رسولؐ کے دوستوں پر تمام راہیں مسدود کر دی ہیں۔"

"اسی لیے تو۔ جنادہ بن حارث نے جواب دیا۔ تجویز کیا ہے کہ مشہور گزرگاہوں سے کنارہ کرتے ہوئے غیر معروف راستے استعمال کئے جائیں پھر بھی کوئی مسافر ملاقی ہو تو حلیہ و حوالہ سے مقصد پر پردہ ڈال دیا جائے۔"

"سفر کے واسطے تاریخ مقرر ہوئی؟ جندب بن حجیر نے پوچھا۔ معلوم ہو تو تیاری کی جائے۔"

"اس کا فیصلہ۔ عمرو بن خالد بولے۔ آپ لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"جہاں تک ممکن ہو۔ قیس بن عبداللہ نے کہا۔ تعجیل کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر ندامت کا باعث ہو جائے۔"

"میں تو بالکل آمادہ ہوں۔ عمرو بن خالد نے اپنا قصد ظاہر کیا۔ صرف آپ حضرات کا جواب معلوم ہونا ہے۔"

"ہم سب آمادہ ہیں۔ سب نے متفق اللفظ ہو کر جواب دیا۔ اسی نیک کام کے لیے کل رات بہت موزوں ہے۔"

"کون کون سفر کرے گا؟" عائذ بن مجمع نے پوچھا۔

"میں اور میرا غلام سعد۔ عمرو بن خالد نے بتایا۔ اور چار کی تعداد میں آپ حضرات۔"

"کل شمار چھ کا ہے۔" جنادہ بن حارث نے کہا۔

"ہاں، جندب بن حجیر بولے اور طرماح بن عدی چھ کے ساتویں بن کر رہنمائی کرینگے۔"

سرکار دو جہاں کا عزیز ترین فرزند، سفر کی دشوار گزار منزلیں قطع کرتا ہوا اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں حر بن یزید ریاحی نے ایک ہزار سواروں کی جمعیت سے پہنچ کر عبیداللہ بن زیاد کا وہ نامعقول حکم پیدا کر دیا جو حضرت خامس آل عبا کو گھیر کر کوفہ کی جانب لانے کے باب میں دیا گیا تھا۔ اگرچہ گمراہ امیر کی ماتحتی نے بڑی حد تک قلبی نور کو زائل کر کے معصیت کے جراثیم پیدا کر دیے تھے تاہم اتنا احساس باقی تھا کہ آقائے کونین کی بعض باتیں منظور کرتے ہوئے صرف ساتھ رہنے پر اصرار کیا تھا اور ملاقی ہونے کے بعد سے ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ مقدور بھر بزرگ و عزت میں بھی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ ہر موقع پر امامت کا احترام مد نظر رکھتا تھا اور ہر منزل پر اپنے خیمے ہٹا کر کھڑا کرتا تھا کہ مدنی عربوں سے کوئی ایسی خطا سرزد نہ ہونے پائے جو بعد میں شرمندگی کا موجب ٹھہرے۔

امام اپنے خیمے میں رونق افروز تھے۔ تھوڑے جاں نثار خدمت میں حاضر رہ کر مصاحبت کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف تھے۔ ہاشمی جوانوں میں سے بھی اکثر موجود تھے کہ ایک حاجب نے

حاضر ہوکر چھ سات عربوں کے مختصر قافلے کی آمد اور النجاشی قدسیوی کی اطلاع کی۔ امام نے اس خبر کو سنا اور فی الفور انہیں حاضر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

تھوڑی دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ چھ عربوں کی جماعت سامنے حاضر ہوکر سلام عرض کیا پھر جواب ملنے پر بہ ترتیب باری باری سے جھک جھک کے ہاتھ چومے اور امام کی اجازت سے مودبانہ دو زانو ہو بیٹھے۔

کچھ عرصہ تک سکوت رہا آخر امام کے دریافت کرنے پر ایک اعرابی نے عرض کرنا شروع کیا "مولا! ہم کوفہ کے باشندے اور آپ کے پدر بزرگوار کے دوست و شیعہ ہیں۔ ہم میں سے بعضوں کو تبع تابعین ہونے کا شرف حاصل ہے اور بعض آپ کے والد ماجد کے صحابی ہونے پر فخر کر سکتے ہیں (اشارہ کرتے ہوئے) یہ جنادہ بن حارث سلمانی ہیں۔ صفین کی لڑائی میں رفاقت کے فرائض پورے کر چکے ہیں۔ وہ جندب بن حجیر کندی خولانی ہیں "کندہ" اور "آزد" کے رسالہ دار تھے۔ ہم سبھوں نے آپ کے ابن عم مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن واقعات نے اس طرح شکنجہ میں جکڑ لیا کہ بروقت رفاقت کا حقیقی فرض ادا نہ ہو سکا اگرچہ شہادت کا دروازہ کھلا ہوا تھا تاہم ابن زیاد کی شاطرانہ چالوں نے دل کا حوصلہ نکلنے نہ دیا! یہ سن کر خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ فرزند رسول سے زمانہ نے نگاہیں پھیر لیں کفر و نفاق کی آندھیاں خدا کے نور کو بجھانا چاہتی ہیں۔ اس لیے ہمیں خدمت میں حاضر رہنے کی اجازت عطا ہو کر سعادت دارین حاصل کرنے کا موقع عنایت ہو۔"

امام نے ان کے نیک ارادوں سے مطلع ہو کر اجازت دی اور کوفہ کے متعلق دریافت کیا "کیا تم میں سے کوئی کوفہ کے حالات بیان کر سکتا ہے؟"

"جی ہاں - مجمع بن عبداللہ نے عرض کی۔ وہاں عجیب رنگ ہے۔ بڑے بڑے آدمیوں کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور گٹھریاں بھر بھر کے سیم و زر عطا ہوا ہے۔ محض اس لیے کہ وہ موافقت میں کمی نہ کریں اور حکومت کی خیر خواہی کرتے رہیں اس لیے یہ لوگ تو ہمہ تن آپ کی مخالفت پر اتفاق کر چکے ہیں۔ رہ گئے عام افراد ان کا یہ عالم ہے کہ دل تو آپ کی طرف جھکے ہیں مگر حکومت کی تلواریں ان کی باگ آپ کے خلاف موڑے ہوئے ہیں"

یہی تذکرہ تھا کہ حر بن یزید ریاحی کے حاضر ہونے کی اطلاع ملی۔ امام نے اسے باریاب فرمایا۔ اس نے [illegible] اور اس کے پانچ ہمراہیوں کو دیکھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ یہ لوگ ابھی ابھی حاضر ہوئے ہیں [illegible] خلاف سمجھا کہ جدید ناصروں کو حضرت ہاشمی کی اجازت [illegible] جانتا تھا کہ پسر زیاد کو اطلاع ضرور ہوگی اور وہ [illegible] یقیناً جواب طلب کرے گا جو آخر میں قتل کا موجب ٹھہرے گا

ان امور پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ نئے انصار کو امام کی خدمت میں رہنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس نے عرض کی "یا ابن رسول اللہ! یہ چھ آدمیوں کی جماعت جو [illegible] پر حاضر ہو کر آپ کے قافلے سے ملحق ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ رہنے میں مجھے کلام ہے۔ اگر مکہ معظمہ سے آئی ہوتی تو کوئی عذر نہ ہوتا مگر اس صورت میں میرا فرض ہے کہ انہیں کوفہ واپس کر دوں یا گرفتار کر کے اپنے پاس رکھوں۔"

امام نے حر کی گفتگو سنی پھر کمال متانت سے جواب میں ارشاد فرمایا "میں ان لوگوں کو تیرے حوالے نہیں کر سکتا کیونکہ یہ لوگ میری امان میں آ چکے ہیں!"

یہ واقعہ ہے کہ حر کہ ہنوز پس و پیش تھا۔ اپنے امیر کی جواب طلبی کا خیال اسے بار بار آمادہ کرتا تھا کہ پھر عذر کرتے ہوئے نو واردوں کو اپنی نگرانی میں لے کر ابن زیاد کے عتاب سے محفوظ ہو جائے مگر امامت کے دبدبہ نے اس کی زبان پر قفل لگا دیا تھا۔ [illegible] کے باوجود ایک لفظ بھی اس حکم کی مخالفت میں نہ بول سکا۔

ناخوشگوار ایام بھی اسی طرح گزرتے گئے جس طرح خوشگوار زمانہ گزرتا ہے۔ وقت کی روانی میں کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا

اس درمیان میں امام بھی وعدہ گاہ پہنچنے کی سعی میں مشغول رہے۔ راستے کی جانگسل صعوبتیں اور لحظہ بلحظہ نازل ہونے والی جانگداز بلائیں ان کے عزم و استقلال کے راستے میں حائل نہ ہو سکیں۔ انسانی قیاس جن جن مشکلات کا احاطہ کر سکتا ہے ان سب نے مجموعی طور پر رکاوٹیں پیدا کیں قدم قدم پر مرحلے درپیش ہوئے لیکن نواسۂ رسول کے پائے ثبات کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ وہ پورے اطمینان و بے خوفی سے اس زمین کی طرف بڑھتے رہے جسے دست قدرت نے بنا سنوار کر اس قابل بنا دیا تھا کہ اس کی آغوش میں نبی زادہ اپنے عزیز و اقارب اصحاب و انصار کی جمعیت کے ساتھ سرمدی استراحت فرما سکے۔

سنہ ۶۰ھ رخصت ہو گیا اور سنہ ۶۱ھ نے اپنی عمر کے صرف دوسرے دن میں قدم رکھا تھا کہ شرب و بطحا کا مقدس کاروان کربلا پہنچا زمین نے گھوڑے کے قدم تھامے اور فرس آگے بڑھنے سے مجبور ہو گیا فرزند رسولؐ نے یکے بعد دیگرے سات راہوار تبدیل فرمائے اور جب کسی کا قدم آگے نہ بڑھا تو رضینا بالقضا وہیں ڈیرہ ڈال دیا۔

جان نثاروں نے تو قیام کے لیے فرات کا کنارہ تجویز کیا تھا لیکن حر نے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اعتراض کیا۔ غازیوں نے تلواریں کھینچ کھینچ کر فیصلہ کرنا چاہا مگر اسوۂ رسول پر سختی سے عمل درآمد رکھنے والے امام نے اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا پسند نہ فرما کر بے برگ و گیاہ زمین پر مقیم ہونا منظور کر لیا اور بات رفع دفع ہو گئی۔

دو دن اور گزر گئے۔ چوتھی محرم سے خونخوار فوجوں کی آمد جاری ہو گئی۔ چار چار، چھ چھ ہزار کے دستے مختلف بے رحموں کی قیادت میں خاتم المرسلین کے فرزند کو ذبح کر دینے کے ارادے سے جمع ہونے لگے اور چھٹی محرم تک لاکھوں درندوں نے چھوٹی سی فوج کو نرغہ میں کر لیا

محرم کی ساتویں تاریخ وہ منحوس تاریخ ہے جس کی مثال اسلامی تاریخ میں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اس دن عمر سعد کو کوفہ سے وہ ظالمانہ حکم پہنچا جس سے انسانیت کا دامن ہمیشہ کے لیے داغدار ہو گیا۔ آج ہی دن آل رسول پر دریا کا گھاٹ مسدود کر دیا گیا مظلوموں کے خیموں سے معصوم بچوں کی صدائے "العطش" بلند ہو کر فضا کو غم ریز کرنے لگی حتیٰ کہ تشنہ کام پانی کی ایک ایک بوند کو ترسنے لگا۔؟

اس دور کی سختیاں بھی گزرنے لگیں۔ نویں کی قیامت خیز رات نے دنیا پر سایہ ڈالا قمری مہینے کا چاند خدا رسیدوں کے صبر و تحمل اور مخلصانہ عبادتوں کے نظارے کو اور زنگ فلک پر جلوہ گر ہوا اور شیطان سیرت انسانوں کے نرغہ میں ملائکہ خصلت بندوں کی تسبیح و تقدیس سے متاثر ہوتا ہوا کوچ کر گیا۔

اب افق گردوں پر ایسی نصیبہ خستہ صبح نمودار ہوئی جس کی تقدیر میں گلزار فاطمہ کو ناریوں کے ہاتھ سے تاراج ہوتے دیکھنا مرقوم تھا۔ سید الشہدا نے فریضۂ اول سے فراغت کرنے کے بعد چھوٹے سے لشکر کو مرتب فرمایا۔ عمرو بن خالد اپنے پانچوں ہمراہیوں سمیت زہیر بن قین کی ماتحتی میں دیے گئے اور انھیں میسرہ کی سرداری پر مامور کیا گیا۔

عمرو بن خالد نے وحید اور غلاموں کے ساتھ اپنے سفر سے مگر سخت ترین زمانہ کمال صبر و سکون سے بسر کیا تھا اعدائے دین کی جانب سے جس قدر مظالم بڑھتے جاتے تھے ان کے قلوب میں وفا و نصرت کے جذبات فزوں سے فزوں تر ہوتے جاتے تھے۔ وہ مسلم بن عقیل کی مدد کرنے کی خواہش رکھتے تھے مگر اس شرف سے محروم رہ گئے تھے اسی لیے ندامت و شرمندگی دور کرنے کا ایک یہی طریقہ تھا کہ امام کی حمایت میں جانیں قربان کر کے خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کی جائے۔

وہ رزمگاہ میں شانے سے شانہ ملا کھڑے ہو گئے۔ لمبے لمبے نیزے ان کے ہاتھوں میں تھے اور گلے میں آیات تسمے کے ساتھ چوڑے چوڑے تیغے لٹک رہے تھے۔ مجمع، جنادہ اور جندب سر چند جوانی کی حدود سے نکل کر پیری کی سرحد میں داخل ہو چکے تھے

لیکن صفین کے معرکے میں ایمانی قوت اور جہادی جذبہ کی بہترین
نمائش کر چکنے سے دل بڑھے ہوئے تھے۔ آج بھی ہری علم
حسینی میدان میں بلند ہوئے تھے فریقین کی طرف فضا میں لہراتے
نظر آتے تھے۔

بھوک پیاس کی زحمت محسوس کرنا عین فطرت سہی لیکن
اس وقت ان وفا سرشت بہادروں کو مطلق احساس نہ تھا
اُن کی حق بین نظروں کے سامنے کوثر و تسنیم چھلک رہے تھے
حور و قصور کے دلکش مناظر اپنی طرف جذب کرنے میں مصروف
تھے۔ رضوان نے جنت کے دروازے کھول کے شہیدوں
کو دعوت دینا شروع کر دی تھی۔

ایکا ایکی رن کی زمین اس طرح ہلنے لگی جیسے شدت سے
زلزلہ آگیا ہو! عمرو بن خالد نے عالم تخیل سے نکل کر دیکھا ہوئی
میمنہ ہزارہا زرہ پوش سواروں کے ساتھ نعرہ کرتا ہوا بڑھ
رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے بے پناہ سیلاب ہے جو پچاس بھوکے پیاسے
مجاہدوں کو بہالے جانے کے لئے بڑھا چلا آتا ہے۔ انھوں نے
اپنے بہادر سپاہیوں کو خبردار کرتے ہوئے کہا "اے جنادہ
و جندب! اور اے مجمع و عائذ! ہوشیار ہو جاؤ۔ سعید! تم
بھی خبردار رہو۔ دشمن نے ہلّہ بول دیا۔ دیکھو، نیزوں کی نوکیں
سامنے کر دو، گھٹنے زمین پر ٹیک کر شانے سے شانہ بھڑا لو
اور نگاہیں نیچی کر لو کہ دل پر ہیبت طاری نہ ہو سکے
ہاں میرے پیچھے بیٹھو! حق کو مضبوط پکڑ لینے کا یہی وقت
ہے۔ ہم میں اور جنت میں اتنا ہی فاصلہ رہ گیا ہے جتنی
دور حریف کا نیزہ ہے۔ کیا تم وہ نہیں ہو جو علالت کی حالت
میں بستر پر ایڑیاں رگڑتے ہوئے مر جانے کو عار تصور کرتے
تھے؟ کیا شہادت کی تمنائیں ازل سے تمھارے سینوں
میں پرورش نہیں پا رہی ہیں؟ مبارک ہو مبارک ہو مراد
پوری ــــــــــ"

عمرو بن خالد کا خطبہ تمام تھا کہ حریف سے تصادم
ہو گیا۔ عمرو بن الحجاج خیال کرتا تھا کہ اس کے ہزارہا
جنگجو سواروں کے مقابلے میں پچاس حسینی پیادے کیا حقیقت
رکھتے ہیں؟ پہلے ہی حملے میں راہواروں کی ٹاپوں سے
کچل کچل کر ہلاک ہو جائیں گے لیکن یہ خیال صحیح ثابت نہ
ہو سکا۔ مجاہدین کے نیزوں اور تلواروں نے فوجی سیلاب
کا رخ پھیر دیا! چشم زدن میں سیکڑوں تڑپتی ہوئی لاشیں
چھوڑ چھوڑ کر حملہ آوروں کو پیچھے ہٹنا پڑا!

اس موقع پر عمرو بن الحجاج نے متعدد حملے کئے مگر وہ
حسینی سرداروں کی صفوں میں ابتری پیدا کرنے سے قاصر
رہے؟ اگرچہ دلیری و دلاوری میں پچاس مجاہد بالکل یکساں
تھے، سب کی جاں نثارانہ سعی مساوی طور پر جاری تھی،
لیکن عمرو بن خالد اور اُن کے ساتھیوں نے اپنے خون کا
ایک ایک قطرہ بہا دینے میں دریغ نہیں کی۔ جب تک بازوؤں
میں جنبش کرنے کا یارا رہا حریف کے دفاع کی کوشش جاری
رہی پھر بھی ہزاروں کا مقابلہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ان جانبازوں
نے ایک سے زیادہ مرتبہ شامی سپاہ کو پسپا ہونے پر مجبور
کیا اور آخر آخر سیکڑوں ناریوں کو جہنم واصل کرنے کے
بعد شربت شہادت سے سیراب ہو کر "محبت فی القربیٰ"
کا حق ادا کر دیا۔

تینوں رسالے چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ کی صورت میں شائع
ہوئے ہیں۔ جن میں فلسفہ شہادت اور مجالس عزا کی عقلی اور
نفسی افادیت کو منظر عام پر لایا گیا ہے تاکہ رسوم عزا کے
مصالح پر روشنی پڑے اور واقعہ کربلا کے تمدنی اور اخلاقی اور سیاسی
نظریات سامنے آسکیں۔ طرز بیان کی تیاری کی وجہ سے تبصرہ نہیں ہو سکا

امام حسینؑ کی قطا سے تمثیل

لو ترک القطا لنام

(مبلغ اسلام) جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی صدر الافاضل واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

قطا کو اگر چھوڑ دیا جاتا تو وہ سو رہتا۔ یہ مشہور مثل ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان اقدس پر اس وقت جاری ہوئی تھی جب آپ یوم عاشورہ رخصت آخری کے لئے خیمہ آل اطہار میں تشریف لائے تھے اور تمام بیبیوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا "علیکن منی السلام" اے زینب و اے ام کلثوم تم پر میرا آخری سلام ہو اب تمہارا بھائی جاتا ہے اور قیامت کے دن تک تم سے مل نہ سکے گا اس ارشاد پر خیمہ میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ ام کلثوم نے یا تو فطرت سے مجبور ہو کر یا ان عورتوں کو سنانے کے لئے جو خاندان رسالت سے نہ تھیں اور جن کے دل میں یہ خیال پیدا ہونے کا اندیشہ تھا کہ حسینؑ اگر چاہتے تو ہم لوگوں کو وطن واپس کرکے اپنی جان دیتے۔ اپنی زبان پر یہ جاری فرمایا "یا ابتا ردنا الی حرم جدنا" "اے بھیا حسینؑ جب ہم میں آپ کا وجود نہ ہوگا تو پھر ہم کو آپ نانا کے روضہ پر پہونچا دیجئے" یہ سننا تھا کہ حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ایک ٹھنڈی سی سانس کھینچی اور نہایت ہی مایوسانہ لہجہ میں ارشاد فرمایا "لو ترک القطا لنام" "اے بہن اگر قطا اپنے آشیانہ میں ستایا نہ جاتا تو ضرور سو رہتا۔"

حضرت امام حسینؑ نے اس مثل کو زبان پر جاری کرکے اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ میں بالکل مجبور۔ بے بس۔ بیکس ہو گیا ہوں اور اس معمولی سی خواہش کو بھی پورا نہیں کر سکتا جو ام کلثوم نے کی ہے۔

قطا ایک ایسا پرندہ ہے جو شکاری کے خوف سے نہ رات کو سوتا ہے اور نہ دن کو آرام کرتا ہے۔ وہ اکثر ان مقامات پر سکونت پذیر ہوتا ہے جو بالکل اجاڑ ہوتے ہیں اور ان مقامات پر اپنا آشیانہ بناتا ہے جو بالکل بے آب و گیاہ ہوتے ہیں۔ اس کو اپنے شکار ہو جانے کا خطرہ دن کی بہ نسبت رات کے زیادہ ہوتا ہے یعنی چونکہ اس کو اپنے شکار ہو جانے کا یقین ہوتا ہے لہٰذا نہ رات کو سو سکتا ہے اور نہ دن میں ہی مطمئن ہونے کی کوئی شکل سمجھتا ہے گویا وہ اس خوف کی وجہ سے بالکل غیر مطمئن اور مجبور ہوتا ہے۔ (ماشین صفحہ)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو اپنی حالت کی قطا سے تمثیل دی ہے وہ قطعی طور پر تمثیل تام ہے اس لئے کہ قطا کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ خوف اصطیاد کی وجہ سے کسی وقت مطمئن نہیں ہوتا اس پر دن رات دونوں وقت کا سونا حرام ہو جاتا ہے حضرت امام حسینؑ بھی اس وقت سے بالکل غیر مطمئن اور اپنے اہلبیت کی آئندہ زندگی سے حد درجہ پریشان اور مضطرب تھے جبکہ آپ کو کوفہ کے اندر جناب مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع ملی اور آپ حر کے لشکر میں گھر گئے۔

امام حسین علیہ السلام کوفہ کی جانب جنگ کے لئے نہیں جا رہے تھے بلکہ کوفیوں کے سیکڑوں لپیے دعوت ناموں پر آپ نے عزم کوفہ کرکے جناب مسلمؑ کو بھیجا تھا کہ جن میں یہ تحریر تھا کہ خدا کے لئے یہاں آ جائیے اور ہماری ہدایت فرمائیے ہم بلا امام اور ہادی کے ہیں، حسینؑ نے مفسی خوشی کا ارادہ کیا سب سے پہلے جناب مسلمؑ کو بھیج کر حالات معلوم فرمائے،

جناب مسلم نے اطلاع دی کہ سرکار تشریف لائیں۔ امام حسینؑ اپنے اہل و عیال کو لئے کوفہ کی سمت تشریف لئے جا رہے تھے منزل زبالہ پر پہونچکر آپ کو علم ہوا کہ کوفہ میں بغاوت کردی گئی ہے میرا بھائی جام شہادت نوش کرکے دنیا سے گلشن جنت کی طرف روانہ ہو گیا ہے بس اس خبر کا آنا تھا کہ دست حسینؑ سے عنان سکون و اطمینان جاتی رہی۔ اس وقت سے لیکر تا حیات امام حسینؑ اطمینان کی سانس نہ لے سکے

قطا کو اپنی گرفتاری اور خود اپنے شکار ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ اسقدر حیران و مضطرو پریشان ہوتا ہے کہ سو تک نہیں سکتا لیکن امام حسینؑ کو اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ تھی وہ راہ اسلام میں قتل ہو جانا اپنی زندگی کا خلاصہ اور بہترین نتیجہ سمجھتے تھے ہاں البتہ اگر حسینؑ کو خیال تھا اور ضرور تھا تو وہ محض اہلبیت اطہار کی رسوائی اور ان کی بے پردگی کا تھا۔

قطا اکثر ان مقامات پر سکونت کرتا ہے جہاں لق و دق جنگل ہوتے ہیں امام حسینؑ بھی کربلا کے جنگل میں آ ٹھہرے گئے تھے جہاں نہ کوئی بستی آباد تھی اور نہ کوئی وحشی قیام فرما رہا اور نہ انسانوں ہی کی آبادی تھی۔

قطا ایسی جگہ پر اپنا آشیانہ بناتا ہے کہ جس جگہ بالکل آب و دانہ نہو، امام حسینؑ بھی ۲ محرم الحرام ۶۱ھ سے ایسے مقام پر رکھے گئے تھے کہ جس مقام پر آپ کو آب و دانہ نصیب نہوتا تھا، محرم کی ساتویں سے چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھوں میں کوزے لئے ہوئے العطش العطش کے نعرے لگا رہے تھے۔

قطا پر دن سے زیادہ رات کے وقت اپنے شکار ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے، حضرت امام حسینؑ کو بھی اس بات کا قطعی طور پر خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہو کہ ہم لوگ محو خواب ہوں اور دشمن کا لشکر ہم پر حملہ آور ہو اور ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری عورتوں کی اہانت ہو۔ اس لئے آپ نے خندق کھدوادی تھی اور تمام مجاہدین رات بھر جاگا کرتے تھے۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے اصحاب رات میں سوتے نہیں تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا یہ خطرہ اور خوف حق بجانب تھا اس لئے کہ دشمن کچھ اس قسم کے تھے کہ جن کا شمار انسانوں میں ذرا مشکل کیا جا سکتا تھا حسینؑ کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ بہائم صفت انسان کہیں ایسا نہو کہ شبخون کردیں۔ آپ کو دن کے بلحاظ رات میں حملہ کا زیادہ خوف تھا۔

اس مختصر مطابقت سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنی حالت کی تمثیل جو مثل مذکور (لو ترک القطا لنام) سے دی ہے وہ تمثیل تام ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ وہ اہم تمثیل ہے کہ جو دل کو چاک چاک اور جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہے ہائے حسینؑ جو رسولؐ کا نواسہ علیؑ و فاطمہؑ کا دلبند ہو جسکی محبت امت پر واجب جس کا احترام امت پر لازم ہو اسے امت والے اتنا مجبور کردیں کہ آپ اپنی چہیتی بہن کی ایک معمولی سی فرمائش کو پورا نہ کرسکیں اور آپ کو مجبوراً (لو ترک القطا لنام) فرمانا پڑے

امامیہ مشن لکھنؤ کا

حسینی لٹریچر

ذیل میں صرف اُن رسائل کی مختصر فہرست درج کی جارہی ہے جو ماہ محرم اور واقعات کربلا سے تعلق رکھتے ہیں امید ہے کہ امسال افراد قوم و عزاداران حسینؑ انھیں خرید فرما کر مجالس عزا میں شیرینی کی جگہ پر تقسیم فرمادیں گے اور اس طرح حسینؑ کے خون سے سینچے ہوئے اسلام کی آواز دنیا کے کانوں تک پہونچا کر تبلیغ ایسے واجب فریضہ کو پورا کریں گے۔

نوٹ :- دیگر مطبوعات مشن و بک ایجنسی کے لیے مفصل فہرست طلب فرمائیے۔

نمبر شمار	نام رسالہ	قیمت	خرچہ
۱	قاتلان حسینؑ کا مذہب	۴/	۱/
۲	حسینؑ اور اسلام (اردو)	۱۰/	۳/
۳	〃 〃 (ہندی)	۱/	۰/
۴	〃 〃 (انگریزی)	۲/	۳/
۵	کربلا کا امر بلیدان (ہندی)	۲/	۳/
۶	مجاہدہ کربلا	۲/	۳/
۷	دی مارٹرڈم آف حسینؑ (انگریزی)	۲/	۳/
۸	معرکۂ کربلا (اردو)	۲/	۳/
۹	کربلا کا مہا یودھ (ہندی)	۲/	۳/
۱۰	دی ٹریجیڈی آف کربلا (انگریزی)	۲/	۳/
۱۱	محاربہ کربلا	۲/	۳/
۱۲	اثبات عزاداری	۴/	۱/
۱۳	ذوالجناح	۰/	۳/
۱۴	شہدائے کربلا حصہ اول	عہ	لعہ
۱۵	〃 〃 〃 دوم	۵/	۱/
۱۶	〃 〃 〃 سوم	۴/	۱/
۱۷	کربلا کا مہا سمر (ہندی)	۲/	۳/
۱۸	حسین ان دی بیٹل آف کربلا (انگریزی)	۱۰/	۳/
۱۹	شہید اعظم	۱/	۳/
۲۰	حسینؑ کا پیغام عالم انسانیت کے نام	۱/	۳/
۲۱	دی لاسٹ اسپیچ آف حسینؑ (انگریزی)	۲/	۳/
۲۲	اسیری اہل حرم	۱۰/	۳/
۲۳	دی مشن آف حسینؑ (انگریزی)	۱/	۳/
۲۴	مظلوم کربلا (اردو)	۲/	۳/
۲۵	ثانی زہراؑ (رعایتی قیمت)	۸/	۲/
۲۶	قاتلان حسینؑ کی گرفتاری (〃)	۸/	۲/

(۲۷) ذاکری کتاب اول و دوم قیمت ۶/ خرچہ ۲/

نوٹ :- ان میں سے بعض رسائل کی بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں جلد طلب فرمائیے ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔

ملنے کا پتہ :- سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

درسِ حرّیت

(زعیم ارباب باطن جناب مولانا عبدالغنی صاحب (ایم اے) قادری چشتی نیازی جبلپوری)

(مولانا عبدالغنی ایک روشن دماغ بزرگ ہیں اور اہلبیت کی سیرت کے عاشق ہیں الواعظ میں آپ کے عالی افکار اور بلند نظموں کا برابر سلسلہ جاری رہے گا۔ سی پی میں آپ کی وجہ سے اتحاد اسلامی کا شیرازہ روز بروز مستحکم ہو رہا ہے اور مسلمان شیر و شکر ہو کر وحدت اسلامیہ کا پرچم لہرا رہے ہیں (اشرف آغا ایم اے مدیر الواعظ)

آل نبی کے غم میں آنکھوں سے خون بہانا — بیشک ہے راہِ حق میں لعل و گہر لٹانا
ہم کو سکھا رہا ہے سوکھے گلے کٹانا — دنیا رہے مخالف دشمن رہے زمانا
باطل سے دب کے لیکن ہرگز نہ سر جھکانا

آل رسول سے کی بے وجہ بے وفائی — دو دن کی زندگی تھی دل میں یہ کیا سمائی
دونوں جہاں کی ذلت کیوں کر فقط کمائی — دشمن تھے عقل کے تم اتنی سمجھ نہ آئی
نقش نگین حق کو ممکن نہیں مٹانا

آل نبیؐ اطہر - ممدوح رب اکبر — نور نگاہ زہرا رضی چشم و چراغ حیدر
محو شعل ہدایت ہمصورت پیمبرؐ — ظلمت کدہ جہان کا جن سے ہوا منور
اس شمع ایزدی کو آساں نہ تھا بجھانا

محبوب کبریا کے محبوب کی شہادت — میدان کربلا میں گویا تھی اک قیامت
اُن کے لہو نے پختہ کی دین کی عمارت — اُنکے خلوص کی یہ دنیا میں ہے کرامت
ہر دم یہ غم ہے تازہ گو ہو چکا زمانا

اسلام کو نہ ہرگز حاصل کمال ہوتا — ایسی مثال کا بھی ملنا محال ہوتا
معیار دین حق کو آخر زوال ہوتا — سبط نبیؐ نہ کیونکر پیاسا حلال ہوتا
باطل کو آپ مٹ کر منظور تھا مٹانا

آزادیٔ عمل کا لاکھوں نے راگ گایا — رشتہ عمل کا لیکن حضرت ہی نے دکھایا
باطل پرستیوں نے کس کس طرح ستایا — اللہ ری صداقت ابرو پہ بل نہ آیا
بنیاد حریت ہے یہ جانگسل فسانا

میدان کربلا میں محشر کا وہ نظارا — دلسوز و دل شکن تھا جانسوز و جانگسل تھا
آل نبیؐ پہ صدقے اپنا ہے یہ عقیدہ — بخشش کا ہے وسیلہ باعث ہے مغفرت کا
مظلومیت پہ اُنکی آنکھوں سے خوں بہانا

لاریب روح فرسا ہے قصۂ شہادت — سن کر نہ رو دے کوئی کس میں ہے اتنی طاقت
افسانۂ ستم پہ رونا ہے عین فطرت — سرور کے غم میں لیکن ہے باعث شفاعت
چشموں سے چشم غم کے دریائے خون بہانا

لیکن جو کربلا میں ظلم و ستم ہوا ہے — رقت ہی کا ہمیں کیا اس سے سبق ملا ہے
اُن سرفروشیوں کا کیا صرف یہ صلہ ہے — کیا اُن کے خون کا بس اتنا ہی خوں بہا ہے
اک بار سال بھر میں کچھ اشک غم بہانا

عقل سلیم کا ہے کچھ اور بھی تقاضا — ہو کچھ سمجھ تو سمجھو یہ نقل کا اشارا
آغاز جب ہو ایسا انجام کیوں ہو ویسا — قربانیاں بڑی تھیں کیوں ہو صلہ ذرا سا
فتنہ سے دین حق کے منظور تھا بچانا

اک درس حریت ہے اوراق زندگی میں — معیار زندگی ہے دنیا کی بیکسی میں
اک پھول ہے انوکھا گلزار احمدی میں — اک باب ہے سنہرا تاریخ مذہبی میں
بچنے پہ ہو کے قادر سوکھے گلے کٹانا

اللہ کی قسم ہے جو کچھ ہوا نہ ہوتا — محبوب تھا خدا کو محبوب کا نواسا
ان کا ہر ایک ساتھی مقبول تھا خدا کا — اُن کو شہید کرتا یہ کس میں حوصلہ تھا
امت کو حق پرستی منظور تھا سکھانا

جو بیکسی کا آج تک لوٹے تھی والی امت — سوتے ہوئے غفلتوں میں سب کھو چکی تھی امت
اغیار ہنس رہے ہیں آ رہی ہے ویسی امت — ہاتھوں سے خوار اپنے خود ہونیوالی امت
لازم تجھے تھا اپنی بگڑی ہوئی بنانا

آئی نہ تجھکو اب تک افسوس حق شناسی — اخلاص و استقامت تسلیم و استواری

پیش نظر ہی نہیں ہے گو اسوۂ حسینی　　راہ خدا میں لیکن ہم کو نہیں جاں نثاری
سیکھا تو اپنے ہاتھوں اپنا نشاں مٹانا

مسلم ہیں نام لیکن اسلام سے ہیں دوری　　نفسانیت ہے مذہب مشرب ہے بے حضوری
اغیار نے اڑائے احکام سب ضروری　　کہتے ہیں ہم کو ناری وہ بن رہے ہیں نوری
متاع ہم کھو گئے ہم سب لٹ گیا خزانا

اوج فلک پہ کل تک تھا آشیاں ہمارا　　چھائے تھے کل جہاں پر گوشہ نشیں ہیں اب کیوں
کل علم کے دھنی تھے جاہل ترین ہیں اب　　سب کچھ ہمیں تھے کل تک کچھ بھی نہیں ہیں اب
ہر ناوک ستم کا کیوں ہیں ہمیں نشانا

سر سرکشی کا ہم نے شمشیر سے اڑایا　　سجدے معبود کو ہم نے تکبیر سے جھکایا
سارے جہاں کو ہم نے علم و ادب سکھایا　　تینوں کے ساتھ ہم ہی پیغام حق سنایا
اسلام سے ملا تھا اقبال کا زمانا

اسلام کے اصولوں کو جب سے ہم نے توڑا　　اعمال ہم سے چھوٹے صدق عمل کو چھوڑا
اقبال نے ہمارا منہ اپنا ہم سے موڑا　　نصرت نے ساتھ چھوڑا غیروں سے جا کے جوڑا
یوں آ گیا ہمارے ادبار کا زمانا

اب بھی سنبھل کے اپنی کشتی سنبھال مسلم　　دل سے نمود نکل کر رستہ نکال مسلم
دکھلا کمال کچھ اے واقف زوال مسلم　　مکار ہے گا کب تک اے خستہ حال مسلم
اٹھ نیند سے کہ آیا اب کام کا زمانا

حسینی اصول

از جناب سید علی متقی صاحب جعفری ہوش بہسری یوپی

طوفان جوش الفت جلو میں لئے ہوئے　　یہ کون ہیں ہتھیلیوں پہ سر لئے ہوئے
سرخیل کاروان رہ عشق کا زمیں　　ہمراہ جاں نثار بہتر لئے ہوئے
سینوں میں جوش شہادت ہر اک قدم　　دل میں وفور شوق کا محشر لئے ہوئے
چہرے سے مرتے ہیں وہ اٹھائے ہوئے نقاب　　رگ رگ میں خون حیات کا جوہر "
پیشانیوں پہ نقش وہ سجدوں کے آشکار　　گویا جبیں ہے ماہ منور "
جلووں سے دشت سلوی ایمن بنا ہوا　　زہرا کا ماہ ساتھ میں اختر "

وہ خدمت حسین وہ عباس باوفا　　شکل و شباب حیدر صفدر لئے ہوئے
آقا سمجھ کے پائے اخی پر سر نیاز　　دل میں وغا کا جوش غضنفر "
راہ خدا میں جان کو قربان کیجئے　　یہ آرزو شبیہ پیمبر "
حق پر نثار ہونے کو مشتاق مصطفےٰ　　اصغر بھی ہیں ارادہ اکبر "
عابس، بریر، ابن مظاہر، زہیر قین　　پیری میں ہیں شباب سے تیور "
حق کوش شاہ راہ حقیقت پہ گامزن　　آنکھوں میں باغ خلد کے منظر
وہ کربلا میں آمد سلطان کربلا　　انسانیت کے درس کا دفتر
ابھرے ہوئے نشان قدم خضر رہنما　　مشعل رہ عمل میں برابر
باطل کو فخر و ناز بہتر ہزار پر　　حق جاں نثار صرف بہتر "
ننگ بشر ہیں خلق میں بانی یہ بد نشیں　　لیکن لعین دلوں میں ہیں پتھر "
انسان کے لباس میں خونخوار جانور　　تلوار و تیر و نیزہ و خنجر "
دنیا سے نیکیوں کا مٹاتے ہوئے نشاں　　حربے برائیوں کے ستمگر "
تعلیم انبیا کا وہ گھٹتا ہوا گلو　　خو بد خصال بد سے ہیں بدتر "
دو میں وہ انبیا کی قیامت کا اضطراب　　حسرت بھری نظر دل مضطر "
تیغ اور حق کے بیچ میں آتے ہوئے حسینؑ　　دل میں جہاں ڈر دو سراسر "
رکھتی ہے بس کہ دین حبیب خدا کی تیغ　　آئے ہیں کربلا میں بھرا گھر "
اظہار شاہ دیں ہیں شہادت کی منتخب　　آنکھوں میں کیف ساغر کوثر "
لو وہ ہوئے عروس تمنا سے ہم کنار　　ننگوں کفن ہیں لاشے کے مظہر "
جھولے میں اب ہیں اصغر نادان بھی بیقرار　　آتے ہیں شیر خوار کو سرور "
گردن کی کماں وہ اصغر بے شیر ہنس پڑے　　اپنے گلے میں تیر ستمگر "
وہ رخصت شہ ملے ہوئے بے شیر کا لہو　　کیا کیا ہے سرخیاں رخ انور "
آخر وقت عصر وہ تنہائی حسین　　پیلا سا رنگ سینہ خاور "
صرف وضو وہ خون وہ آخری نماز　　دنیائے سوز و ساز کا جوہر "
آثار حشر عالم کن میں وہ کھلبلی　　سینے پہ شمر ہاتھ میں خنجر "
گردن وہ زیر تیغ، وہ لب پر خدا کا نام　　اس خوں کا خوں بہا سر محشر "
معراج عشق پاتے ہیں سبط مصطفےٰ　　نوک سناں پہ دشمن دیں سر "
فتح و ظفر کا حصر ہے، فتح اصول پر　　بیتاب نشان فتح ہیں سرور "
زندہ ہیں خود حسینؑ، حسینی اصول بھی　　قبضے میں ہیں لوا کا سراسر "
اے ہوش ظالموں پہ برستی ہیں لعنتیں　　شبیر ہیں وہ درد کے گوہر "

ملاحظات

محرم سنہ ۱۳۶۰ھ کے بعد انشاء اللہ الواعظ کا نیا دور شروع ہوگا

ادارہ کے اندر جلد جلد بہت سی تبدیلیاں عمل میں آگئی ہیں اور آرہی ہیں۔ دو مہینہ میں الواعظ نے جو کچھ کیا اس سے یہ معلوم ہوگیا ہوگا۔ اس کو بلند نظری اور خالص علمی نقطہ نظر پر چلایا جارہا ہے یہ تبدیلیاں بہت تنگ وقت میں عمل میں آئی ہیں اس لیئے پوری طاقت سے ابھی کام کا موقع نہیں ملا ہے محرم کے بعد سے الواعظ کی زندگی کے عہد جدید کا آغاز ہوگا خیال یہ ہے کہ الواعظ کے ذریعہ سے پورے ہندوستان کی مذہبی و علمی ضرورتوں کی نگرانی ہوتی رہے۔ اور ان تمام مشکل مسائل کو حل کیا جائے جو دماغوں کو پریشان کیئے ہوئے ہیں میں نے الواعظ کی نظارت انھیں حوصلوں کے ساتھ قبول کی ہے اگر خدا کی توفیق ساتھ رہی تو الواعظ تمام قدیم شکایتوں کو دور کردے گا جو اسکے نام کے ساتھ ناظرین کو یاد آجاتی ہیں اور اسکے ذریعہ سے تبلیغ انسانیت و مذہب کا قابل قدر کام انجام پائے گا۔ کاغذ کی گرانی اور بعض مضامین کی تاخیر سے وصول ہونے کی وجہ سے بہت سے ضروری مقالات اور نظموں کو محرم نمبر میں شایع نہیں کیا جاسکا خود ادارہ الواعظ کو اس اہم موضوع پر اظہار خیال کا موقع نہیں ملا ۱۶ فروری اور اسکے بعد کے نمبروں میں تمام قابل اشاعت مضامین درج کیئے جائینگے۔

مجتبیٰ حسن کاموں پوری (ڈاکٹر تاریخ و اخلاق از ہر یونیورسٹی)
(ناظم ادارہ)

ظفر الممالک پر مقدمہ

جناب مولوی سید ظفر حسین صاحب عرف ننھن صاحب پر پولیس نے بسلسلہ بارہ وفات جو مقدمہ چلایا تھا ابھی پولیس کی جانب سے ثبوت ختم ہوگیا ۲۹ جنوری سے صفائی طلب کی گئی ہے مومنین کامیابی کی دعا فرمائیں۔

علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن کاموں پوری کی تقریریں

(۱) یکم محرم سے ۱۰ تک نوجوانان کاٹھیاواڑ کی طرف سے علامہ ممدوح کی تقریروں کا انتظام کاٹھیاواڑ میں کیا گیا ہے

(۲) رئیس اعظم الہ آباد عالیجناب آغا علی خاں صاحب مشہور قومی ہمدرد عرصہ سے ایسی مجلسوں کی ضرورت محسوس فرمارہے تھے جن سے تعلیم یافتہ طبقہ کے مذہبی شبہات رفع ہوجایا کریں لیکن کوئی ایسا روشن دماغ اور حالات حاضرہ سے واقفکار مقرر دستیاب نہیں ہوتا تھا موصوف سال گزشتہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور علامہ مجتبیٰ حسن صاحب ازہری کی تقریروں کا الہ آباد میں شاندار انتظام کیا جس میں الہ آباد اور مضافات الہ آباد کے تعلیم یافتہ جوق جوق شریک ہوئے امسال بھی سوشلسٹ کمیونسٹ حضرات نے موضوعات مقرر فرمائے ہیں اور ۱۳ محرم سے ۲۰ محرم تک علامہ ممدوح کے زیر بحث بیانات ہوں گے۔

محمد مہدی کشمیری مولوی فاضل پنجاب فاضل ادب الہ آباد

احساس ابتلا

(از سید محمد عادل صاحب صدر الافاضل مدرس سلطان المدارس لکھنؤ)

نظر سے رخصت احساس ابتلا کردی ۔۔۔ نبیؐ کی جان تحمل کی انتہا کردی
زبان جو ذوق مصیبت سے آشنا کردی ۔۔۔ دو چند چاشنی لذت عزا کردی
نثار کرکے سر اپنا رضائے خالق پر ۔۔۔ بدن سے رخصت پیراہن وردا کردی
بڑھاکے چاشنی درد دل نشین تونے ۔۔۔ علاوہ غم و رنج و الم سوا کردی
مریض درد معاصی کو مژدہ صحت ۔۔۔ مسیح کرب و بلانے تیری دوا کردی
زمین پہ رکھ کے قدم سرفرازیاں بخشیں ۔۔۔ کہ تونے خاک بھی کہیں کربلا کردی

ثبات شاہ میں عادل خلل نہیں آیا
عدو نے لاکھ مظالم کی انتہا کردی

ناگپور میں علم جلوس

۸ محرم الحرام چار بجے دن مرزا صاحب کے باہما واقع مہسا پوری سے علم کا جلوس روانہ ہو کر حیدری مسجد کے امامباڑے کو جائیگا جسمیں کامٹی کی مشہور و معروف ماتمی انجمن کا دستہ مصروف ماتم ہوگا جلوس میں شاعر میاں اصغر نظامی بکرد درد نوحے سننے کا زریں موقع ہاتھ آئیگا

مرزا آغا حسین۔ صدر انجمن خدام علم ناگپور

ہند میں نائب امام کا فرمان

فرمانِ سرکار شریعتمدار صدر المحققین حجۃ الاسلام نائب امام مولنا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مدظلہ العالی

باسمہ سبحانہ

راہ نجات ایک ایسا جریدہ فریدہ ہے جس نے تبلیغ دین مبین میں کارہائے نمایاں کئے ہیں اور بہت سے اشخاص اس کے مضامین دیکھکر راہ راست پہ آگئے ہیں اور مذہب حق اختیار کیا ہے۔ اب تک اس جریدہ فریدہ کی اشاعت کو قریب پچاس برس کے زمانہ گزرا ہے تمام مومنین عموماً اور دولتمند حضرات کو خصوصاً اس موقع پہ لازم ہے کہ اسکی قدردانی میں بیش از بیش سعی جمیل عمل میں لائیں۔ کم از کم قدر شناسی اس کی یہ ہوگی کہ جو خریدار نہوں وہ خریدار ہوجائیں اور جو خریدار ہیں وہ اوروں کو آمادہ خریداری کریں۔ نیز جو مذہبی کتابیں ادارہ راہ نجات سے شائع ہوتی ہیں ان کو خرید کر غیر مستطیع افراد تک پہونچائیں انشاءاللہ تعالی اس کا اجر جزیل و ثواب جمیل رب جلیل سے ان کو ملے گا اور حضرات معصومین علیہم السلام کے ارواح مقدسہ راضی و خوشنود رہینگے اور مدیر جریدہ مذکورہ عمدۃ الواعظین الکرام زبدۃ المبلغین العظام جناب حاجی غلام علی صاحب دام افضالہم العالی کی ہمت افزائی ہوگی اور غالبًا جملہ اہل ایمان اعانت سے اس جریدہ عالیہ کے خوش و مسرور اور متشکر و ممنون ہوں گے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا ابی القاسم محمد و آلہ الطاہرین کتبہ بیدہ الوازرۃ ناصر حسین الموسوی کان اللہ لہ فی الدنیا و الاخرۃ فی یوم الرابع عشر من شہر شوال ۱۳۵۹ھ

ہند کے خطیب اعظم کا فرمان

فرمانِ مہبط فیوض ربانی دقیقہ شناس موزخ قانی متکلم و مناظر لاثانی حضرت عمدۃ المتکلمین راس الواعظین مولانا مولوی سید محمد رضا دہلوی مدظلہ العالی

حضرت عمدۃ العلماء جناب حاجی غلام علی صاحب قبلہ اڈیٹر راہ نجات (بھاؤنگر والے) وہ مجاہد فریدہ ہیں جنہوں نے کاٹھیاوار گجرات کچھ اور افریقہ میں دینی خدمات کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں اور اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ دینی خدمت میں گزارا ہے۔ سیکڑوں کتابیں اسی دیس کی زبان میں شائع کی ہیں اور مذہب حقہ اثنا عشریہ کا پیغام ہزاروں بندگان خدا تک پہونچایا ہے خدمات کے شمار سے قلم عاجز ہے راہ نجات کا وہ رسالہ جو اپنی خدمات کے پچاس سال گزار چکا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ آپ اس کی خدمتوں کی کیا قدر فرمائیں گے اس کی جوبلی عنقریب ہونے والی ہے اور آجکل کی زندہ قوموں کے دستور کے مطابق اس کا خراج تحسین ادا کیا جائے گا ہر مومن کا فرض عین ہے کہ وہ دامے درمے حضرت موصوف کی امداد فرمائے تاکہ اس دینی رسالہ کی جوبلی دھوم دھام سے منائی جائے اور دشمنان دین کو دکھلا دیا جائے کہ خدمتِ دین اس طرح کرتے ہیں۔ مجھکو امید ہے کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کی مدد میں دریغ نہ کیا جائے گا اور اس خادم دین کی عزت بڑھا کر دوسروں میں شوق خدمت پیدا کیا جائے گا بیشک زمانہ مشکلات سے لبریز ہے مگر فرض ہر حال میں فرض ہے اس کا اجر و ثواب ائمہ اہلبیت کے دروازہ سے ملے گا جس در کے سب محتاج ہیں اور آج جو بڑے ہیں وہ بھی انھی کا نام لیکر بڑے ہیں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

جماعت و قوم کا خدمتگزار السید محمد زیدی دہلوی

ہندوستان کا مایۂ ناز عظیم الشان نیاز دواخانہ یونانی میرٹھ

جسکے

آزمودہ مجربات اور بے نظیر جادو اثر مرکبات نے دنیائے طب یونانی میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ پیش کئے جاتے ہیں

ماء اللحم شاہی خاص الخاص چار آتشہ رجسٹرڈ

یہ ماء اللحم شاہی تندرستی اور طاقت کے باقی رکھنے میں واقعی اکسیر ہے دواخانہ کو یہ نسخہ بڑی کوشش اور جانفشانی سے ملا ہے اور خاص اہتمام سے تیار کرتا ہے۔ قوی پرندوں کے گوشت اور خون صالح پیدا کرنیوالے بیش قیمتی ادویات۔ مشک عنبر زعفران اسکے اجزا ہیں۔ زیادہ قوت کی تیزی شیشی میں بند ہے ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اس کے چند روزہ استعمال کے بعد اعضا میں جوانی کی طاقت اور دلمیں شباب کی امنگ پیدا ہو جائیگی خوشبو اسقدر ہے مثل کہ سونگھنے کے لائق اور رنگ اسقدر سرخ کہ آنکھیں دیکھنے کی مشتاق گویا شباب رفتہ کی تصویر بوتل میں دکھائی دے رہی ہے جلدی طلب کیجئے ورنہ پھر انتظار کرنا پڑے گا۔

۲ تولہ یہ عرق بعد غذا کے دوپہر اور ۲ تولہ بعد غذائے شب فوراً استعمال کریں قیمت ۶ حصانتی فی بوتل چار روپیہ آٹھ آنہ

عرق بہار شباب رجسٹرڈ نوجوانی میں جبکہ اعضا میں خون دلفریب ہوتی ہے وہ قدرت کی بیش قیمت عطیہ ہے مگر افسوس ہے کہ عالم شباب میں قدم رکھتے ہی بھولے بھالے نوجوان اس نعمت الٰہی کی قدر نہیں کرتے صحبت بد کا شکار ہو کر عشرت وقتی لطف کی تحصیل میں اپنے ہی ہاتھ سے قبل از وقت برباد ہو کر تہی دست ہو جاتے ہیں اور بعض قوت اور نظافت کے بھرپور ہونے کے گھمنڈ میں سرمایۂ شباب کو بکثرت صرف کر کے ہمیشہ کے لئے دست تاسف ملا کرتے ہیں یہ ہیں وہ ناعاقبت اندیشیاں جنکی بدولت قوم کے نونہال کمزور و ضعیف پیدا ہو رہے ہیں چونکہ ہمارے دلمیں درد قومی ہے لہذا یہ عرق تیار کر کے پیش کر دیا ہے جو ہر طرح مفید ثابت ہوگا۔ ۲ تولہ یہ عرق بعد غذا دوپہر اور ۲ تولہ بعد غذا شب۔ لطیف خوراک استعمال کریں قوت میں دوہرا اضافہ ہوگا لیکن بہتر ترکیب استعمال یہ ہوگی کہ صبح کو بعد تھوڑے ناشتہ کے معمول ۶ ماشہ عرق ۲ تولہ اور رات کو بھی اسی مقدار میں اسی ترکیب سے استعمال کیا جائے۔

شاہی لاجواب گولیاں رجسٹرڈ

ہماری عرصہ سے تمنا تھی کہ کوئی نسخہ گولیوں کا جو ممسک اور مقوی اور بے ضرر ہو دستیاب ہو جائے تو تیار کر کے اپنے نوجوانوں کی خدمت میں پیش کریں تاکہ وہ ان بازاری گولیوں کے استعمال سے محفوظ ہو جائیں جو بری طرح صحت کو برباد کرتی ہیں بحمدہ ہماری یہ تمنا پوری ہوئی اور نسخہ بھی ملا تو شاہی جو مفید ہی مفید ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ ان گولیوں میں کوئی چیز کسی مذہب کے خلاف نہیں ہے اور نہ کوئی مضر دوا شامل ہے بلکہ اس کے اجزا میں مشک عنبر مروارید شامل ہیں یہی وجہ تھی جو بادشاہ ہمیشہ انکا استعمال کیا کرتے تھے۔ قوت باہ کی زیادتی اور قوت مردانگی کا تحفظ اور امور فطری کی کثرت سے جو کمزوری اعضا میں پیدا ہو جاتی ہے اس کے زائل کرنے میں جادو اثر ہیں متوسط قوت کے نوجوان ایک چھوٹی گولی صبح اور ایک سوتے وقت شب کو اور پوری قوت کے نوجوان ایک بڑی گولی صبح اور ایک سوتے وقت ایک ایک دودھ کیساتھ استعمال کریں اگر ممکن ہو تو ہمیشہ امور بستری سے پرہیز کریں

قیمت چھوٹی گولی درجن ۱۰ (۱۰/ روپے) قیمت بڑی گولی درجن ۱۲ (۱۲/ روپے)

قیمت بڑی گولی اسپیشل نمبر درجن ۱۵ روپے (۱۵/ روپے)

روغن گیسو رجسٹرڈ یہ مسئلہ باتفاق طے ہو چکا ہے کہ گیسو فی الحقیقت حسن اور دلفریبی کے وہ دلربا ہیں جنکی لٹوں اور بندش میں اہل دل ہمیشہ الجھے رہتے ہیں لیکن حال جہاں گیسوؤں کی سرکاری میں ہمارا تیار کردہ زینت گیسو مسمی ہو کر مقبول ہو جاتا ہے تو پھر سنگار کی قوت میں دوہرا اضافہ ہو جاتا ہے آنکھیں چمک کا شکار ہو جاتی ہیں دماغ پر خوشبو کا پہرہ ہو جاتا ہے اور دل دہ تو پہلے ہی مار رہیگا ہے گویا یہی وہ عاشق دام گیسو میں گرفتار

آپ کا خادم:- منیجر نیاز دواخانہ یونانی میرٹھ کمبوہ دروازہ

اطبائے شاہان اودھ
کی
خاندانی نیز بہدف مجربات ادویات
یہ بیان حلفیہ ہے اسمیں شک و شبہ کو ذرا دخل نہیں

یہ دواخانہ قدیمی قومی و مذہبی ہے، ہمارے جد امجد ہمیشہ طبیب شاہان اودھ رہے ہیں ہم نے اشتہاری دنیا میں قدم رکھنا معیوب سمجھا لیکن یہ خیال کرتے ہوئے کہ بغیر اشتہار خدمت قوم نہیں ہوسکتی نیز ہماری غریب قوم جو دھوکہ میں آکر اپنی گاڑھی کمائی برباد کر رہی ہے اشتہار شائع کرنا پڑا، ہم ایک شاہی خاندان طبیب ہوں اپنی غریب قوم کو دھوکہ دیکر ناجائز فائدہ اٹھانا حرام سمجھتا ہوں جملہ امراض کی ادویہ مفصل حال تحریر فرماکر طلب فرمائیے اگر کوئی دوا نفع نہ دیگی تا صحت صرف صرف محصولڈاک پر مفت دوا روانہ ہوگی تعمیل آرڈر ذمہ داری لی ہوگی جسکا لینا اخلاقی و مذہبی فرض ہوگا۔ جواب طلب امور کے واسطے ٹکٹ آنا ضروری ہے

اکسیر شباب یہ عجیب و غریب اکسیری کیمیاوی دوا تمام اعضاء رئیسہ کو قوت دیکر کثیر تعداد میں مادہ تولید پیدا کرتی ہے جو لوگ کثرت جماع سے کمزور ہوگئے ہوں یا وہ مریض جو طویل بیماری کی وجہ سے قوت مردانہ کی کمزوری میں مبتلا ہوں ضرور اسکو استعمال کرکے جوانی کا لطف حاصل کریں۔ بجھے ہوئے دلوں کو امنگوں سے اور مایوسی کو شادمانی سے بدل دیتی ہے معدہ کا فعل درست کرتی ہے مقوی غذائیں ہضم کرتی ہے، جو لوگ قوت مردمی سے بالکل مایوس ہوگئے تھے انکو بھی اکسیر شباب نے جوانوں کی صف میں کھڑا کردیا درحقیقت یہ قوت مردانہ کی وہ اکسیری دوا ہے جسکی تلاش میں دنیا سرگرداں ہے جو لوگ مردانہ قوتوں کیساتھ اولاد کے متمنی ہیں انھیں فوراً منگالینی چاہیئے۔ پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ۔

قیمت مع محصولڈاک دس روپیہ بارہ آنہ (۱۰؍۱۲)

طلاء اکسیر برق یہ طلاء بہترین ایجاد ہے جو کہ رگوں کی خرابی، لاغری، کوتاہی و سستی بالخصوص عضو کی کمزوری کے لئے نادر و نایاب ہے فوراً اپنا برقی اثر دکھاتا ہے لطف یہ کہ بالکل بے ضرر، مرض خواہ کتنا ہی کہنہ ہو ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کردیتا ہے اور مریض از سر نو نوجوان ہوجاتا ہے طلاء [illegible] ہمارے طلاء میں کوئی شے بھی ناپاک یا ناجائز نہیں ہر شخص دوران استعمال میں عبادت کرسکتا ہے۔ قیمت مع محصولڈاک ۸؍

سفوف جریان جریان نے بیشمار اشخاص کی تندرستی برباد کردی ہے، جریان کا نتیجہ کیا ہے، ہاضمہ کا بگاڑ، دل و دماغ کا کمزور ہوجانا حافظہ کی خرابی، ہمت کی پستی، طبیعت کی سستی اولاد سے محرومی پھر رفتہ رفتہ دق اور سل جیسے مہلک امراض تک نوبت پہنچ جاتی ہے اگر آپکو جریان ہے تو فوراً توجہ منعطف فرماکر ہمارا بیش بہا سفوف استعمال فرمائیے جو مادہ تولید کو گاڑھا کرتا ہے کثرت احتلام اور سرعت کو دور کرتا ہے ہاضمہ کو درست کرتا ہے نطفہ کو اولاد کے قابل بناتا ہے۔ ممسک ہے مجرب ہے۔ قیمت مع محصولڈاک ۱؍۸

طلاء ہفت روزہ یہ طلاء ہمارے جد امجد نے جانعالم حضرت واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ کے واسطے کلکتہ (مٹیا برج) میں تیار کیا تھا جو اکسیر اعظم ثابت ہوا ہے جو اثر رکھتا ہے بالکل بے ضرر ہے ایک ہفتہ میں مریض کی تمام شکایتیں دور کرکے دوبارہ طاقت بخشتا ہے اسکا استعمال کرنا گویا جوانی خرید لینا ہے عجیب و غریب ہے اپنی مثال نہیں رکھتا۔ قیمت مع محصولڈاک ۷؍۴؍۶

اکسیر نسواں مرض سیلان الرحم غریب مستورات کا قاتل دشمن ہے اور وہ بیکس پردہ نشین بوجہ شرم و حیا اظہار نہیں کرتیں رفتہ رفتہ یہ انکے لئے مرض الموت ہوجاتا ہے بیزبان عورتوں کیلئے یہ دوا آب حیات کا حکم رکھتی ہے علاوہ ازیں ایام ماہواری کی بھی ممد ہے عورتوں کی عام کمزوری اور اندرونی کمزوری کیلئے خاص طور پر مفید ہے، اس اکسیری دوا کے استعمال سے ایک ہفتہ میں قطعی صحت ہوجاتی ہے اور مرض کی بیخکنی ہوجاتی ہے۔ قیمت مع محصولڈاک ۲؍۸

المشتہر

پتہ مینیجر مکمل دواخانہ سنبھل ضلع مرادآباد (یوپی)

مالک

طبیب حاذق حکیم سید مجتبیٰ حسین رضوی

نبیرہ عالیجناب فخر الحکما حکیم سید محمد علی

صاحب مرحوم وثیقہ دار طبیب بادشاہان اودھ

حیات القلوب حصہ اول کا ← اردو ترجمہ

با محاورہ اردو ترجمہ تیار ہو گیا

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی مشہور عالم کتاب جو عرصہ سے نایاب تھی
جس کیلیے مومنین ایک زمانے سے بیتاب تھے

جس میں

حضرت آدمؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ذوالقرنین
حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت خضر علیہم السلام کے
مسلسل و مفصل حالات درج ہیں!

چھپ کر تیار ہو گئی ہے، سفید کاغذ، حجم ۵۵۰ صفحات، قیمت علاوہ محصول غیر مجلد ے؍
مجلد ؍، للعہ؍
(دوسرے حصے زیر طبع ہیں، ایک ایک حصہ اختر شایع ہوتا رہیگا)

وظائف الابرار مصدقہٴ علمائے کرام

۱۸×۲۲ ۸/۱ سفید چکنا کاغذ، صاف چھپائی، خاشدہ (زرد پٹیوں پر سیاہ حروف)
ضعیف العمر بھی آسانی سے پڑھ سکتے ہیں

سب سوروں میں مقبول عالم ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کا ہے، دعاؤں میں دعائے شلول کا ترجمہ جناب مولانا مولوی سید ظفر مہدی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا ہے، دعائے سباسب اور دعائے کمیل میں بامحاورہ ترجمہ مصدقہ سید العلما مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مدظلہ
اور دعاؤں کے ترجمے بھی اسی طرح معتبر ہیں صحت کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے۔
اس وظائف الابرار کو لے کر اپنے مصلے کی زینت بڑھائیے۔

ہدیہ... غیر مجلد عہ؍ مجلد......عہ؍، ۱۲؍، ۶؍ (علاوہ محصول ڈاک)

مختار المسائل عملیہ اردو

تمام مسائل ضروری کی مکمل کتاب

سرکار آقائے ابوالحسن اصفہانی مدظلہ،
سرکار آقائے ناصر الملۃ مدظلہ،
سرکار آقائے نجم الملۃ مدظلہ،

قیمت علاوہ محصول
غیر مجلد عہ؍
مجلد ۱۲؍، ۶؍

منیجر نظامی پریس و بک ایجنسی لکھنؤ (آہنی پھاٹک)

سیرتِ ائمہؑ پر کس طرح چل سکتے ہیں؟

صرف اسطرح کہ

ائمہ علیہم السلام کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے

خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ انگریزی تعلیم اور مغربی تقلید نے ہمارے نوجوانوں کو مذہب اور دینی پیشواؤں کے حالات سے بالکل بے خبر بنا دیا ہے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ سوانح چہاردہ معصومین ع سادہ سہل۔ دلکش انداز میں لکھے جائیں کہ ہمارے نوجوان لڑکے لڑکیاں کم پڑھے بھی آسانی سے پڑھ کر سمجھ سکیں اور ان حضرات کی ——————

زندگی کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی پڑے —— تاکہ —— ہماری نئی پود میں عملی جوش پیدا ہو ——

اور وہ جان لیں کہ ہمارے دینی راہنما کمالات کے کن کن اعلیٰ مراتب پر فائز تھے ——

خدا کا شکر کہ جناب شمس الواعظین مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ نے اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا۔ اور اپنے خاص سلیقہ سے جو خداوند عالم نے اُن کو ودیعت فرمایا ہے ان کتابوں کو کچھ اس طرح ترتیب دیا ہے کہ —— جب آپ ان کتابوں کو پڑھینگے تو معلوم ہوگا کہ —— مؤلف نے گویا دریا کوزہ میں بند کر دیا ہے —— یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتابیں ہیں —— واقعات کتب معتبر سے لئے گئے ہیں —— موقع موقع سے ہمارے غلط مراسم اصراف بیجا (غلط اعتقادات) کے پہلو بھی نمایاں کر دئے گئے ہیں، کتابوں کو مناظرانہ رنگ سے علٰحدہ رکھا گیا ہے ما بہ النزاع واقعات نرمی سے لکھے گئے ہیں

کوئی شیعہ گھر ان مقدس اور مفید کتابوں سے خالی نہ رہنا چاہیے

آپ کے گھر میں انکا وجود دنیا و آخرت کے سنوارنے کا ذمّہ دار ہے

ھدیہ ...... ۱۴ جلدیں علٰحدہ علٰحدہ ...... مجلد ۱۱ عہ ...... غیر مجلد ۱۲ ...... علاوہ محصول ......

مولفات جناب فوق مدظلہ	ہاشمی مجاہد	سوانحعمری حضرت عباسؑ
اسوۃ الرسول جلد اول معہ اسوۃ الرسول جلد دوم صہ اسوۃ الرسول جلد سوم ۵۰ جلد چہارم و پنجم زیر طبع سراج المبین سوانحعمری حضرت علی حصہ اولؑ و دوم ...... الزہراء ۸ سرو حسین ۸ تحفۃ العابدین ۸ آثار باقریہ ۱۲ آثار جعفریہ ۸ تحفہ رضویہ ۸ علوم کاظمیہ عہ تحفۃ المتقین ۱۲ آثار النقی عہ العسکری عہ در مقصود ۸ المحسن عہ قرآن مجید اور اقتصادیات ۴	مؤلفہ ڈاکر حسین، بی۔ اے ثانی زہرا جناب زینب کی گود کا پالا حضرت امام حسین ع کی آنکھوں کا اجالا حضرت ام لیلےٰ کا چاند یعنی حضرت علی اکبر ع کی سوانحعمری قیمت غیر مجلد ۸	سوانحعمری حضرت عباس ع مؤلفہ جناب مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ عہ ابوطالب از جناب مولانا السید ظفر مہدی صاحب قبلہ ...... ۸ اسمِ اعظم (سوانحعمری حضرت علی علیہ السلام) ۸ سوانح آل ہاشم مؤلفہ میر کاظم علی صاحب ...... ۴ الکاظم سوانحعمری حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۸ جناب سلمان اور انکی سادہ زندگی بزنیر سید اکبر علی صاحب ۲ سوانح عمری حضرت علی اصغر ۶

مینیجر نظامی پریس لکھنؤ (آہنی پھاٹک)